www.shibliinternational.com

May 2021 مئی

ISSN: 2581-9216

ماہنامہ صدائے شبلی حیدرآباد

Urdu Monthly **SADA E SHIBLI** Hyderabad

ایڈیٹر مولانا ڈاکٹر محمد حامد ہلال اعظمی

قیمت: -/20 روپے

Issue39 شمارہ_Vol4 :جلد

مئی May :2021

ماہنامہ حیدرآباد

صدائے شبلی

مدیر: ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی

نائب مدیران: ڈاکٹر سراج احمد انصاری ☆ ڈاکٹر عبدالقدوس ☆ ابو ہریرہ یوسفی

مجلس مشاورت:

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی، پروفیسر مظفر علی شہہ میری
پروفیسر محسن عثمانی ندوی، پروفیسر ابوالکلام
پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی، مفتی محمد فاروق قاسمی
مولانا ارشاد الحق مدنی، مولانا محمد مساعد ہلال احیائی
اعجاز علی قریشی ایڈوکیٹ، محمد سلمان انجینئر

مجلس ادارت:

ڈاکٹر محمد رفیق، ڈاکٹر حمران احمد، ڈاکٹر جاوید کمال، ڈاکٹر ناظم علی، ڈاکٹر مختار احمد فردین، ڈاکٹر غوثیہ بانو، ڈاکٹر سید امام حبیب قادری، ڈاکٹر سمیہ تمکین، ڈاکٹر فاروق احمد بھٹ، ڈاکٹر مصطفیٰ خان، مولانا عبدالوحید ندوی، مولانا احمد نور عینی، ڈاکٹر مصلح الدین نظامی، ابو ہریرہ ایوبی، محسن خان

SADA E SHIBLI
A/c: 13271024000023922
Ifsc: IBKL0001327
IDBI Bank: CHARMINAR HYD, T.S

قیمت فی شمارہ: 20 سالانہ: 220
رجسٹرڈ ڈاک: 350- بیرونی ممالک: 50/امریکی ڈالر
خصوصی تعاون: 1000

ماہنامہ "صدائے شبلی" حیدرآباد میں مقالہ نگاران سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ہر طرح کی قانونی چارہ جوئی صرف حیدرآباد کی عدالت میں ہوگی

محمد محامد ہلال (اونر، پبلشر، پرنٹر، ایڈیٹر) نے دائرہ الیکٹرک پریس میں چھپوا کر حیدرآباد تلنگانہ سے شائع کیا

خط و کتابت کا پتہ

Email: sadaeshibli@gmail.com

Mob:9392533661 - 8317692718

MOHD MUHAMID HILAL #17-6-352, B1, 2nd Floor,Bafana Complex,
Near Asfya Masjid Dabirpura Road, Purani Haveli,Hyderabad- 500023. T.S

فہرست مضامین

۱	اپنی بات	ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی	۵
۲	حمد و مناجات	رہبر پرتاپ گڑھی	۶
۳	نعت ﷺ	محی الدین احمد ابوالکلام آزاد	۶
۴	اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم	علامہ شبلی نعمانیؒ	۷
۵	دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ	ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	۸
۶	نجات کا اٹل قانون	مولانا حبیب الرحمٰن	۱۲
۷	خورشید احمد جامی	پروفیسر رحمت یوسف زئی	۱۴
۸	شکستہ دل (نظم)	محمد یاسین ہابیل	۱۷
۹	تکثیری سماج اور اسلام	مفتی امانت علی قاسمی	۱۸
۱۰	الحادی طوفان اور انسانی رجحان: اسباب وحل	ڈاکٹر آصف لئیق ندوی	۲۰
۱۱	مصر میں ماہِ رمضان اور کورونا وائرس	ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی	۲۴
۱۲	تم غریب ہو (نظم)	پرواز احمد	۲۷
۱۳	اقبال فہمی	احمد نور عینی	۲۸
۱۴	قرآن نسخہ ہدایت	اسماء فیروز	۳۱
۱۵	مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی دینی، علمی و تصنیفی خدمات	طفیل احمد مصباحی	۳۴
۱۶	کر رہا ہوں لاک ڈاؤن میں بسر (نظم)	احمد علی برقی	۳۷
۱۷	اردو نعت گوئی میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام	صدام حسین	۳۸

ماہنامہ ’’صدائے شبلی‘‘ کے خصوصی معاونین

جناب **ابو سفیان** اعظمی، مقیم حال ممبئی... جناب **محمد یوسف** بن الحاج محمد منیر الدین عرف ولی مرحوم، حیدرآباد

مفتی **محمد فاروق قاسمی** ۔صدر علماء کونسل وجے واڑہ، آندھرا پردیش

ڈاکٹر سید **جلیل حسین** ایم ڈی (علیگ) ٹولی چوکی حیدرآباد

ڈاکٹر **شہباز احمد**، پروفیسر گورنمنٹ نظامیہ طبی کالج چارمینار، حیدرآباد

مولانا **محمد عبدالقادر سعود** نائس جوس سینٹر سکندرآباد، حیدرآباد

الحاج **محمد قمرالدین** ،نبیل کالونی بارکس حیدرآباد

الحاج **محمد عبدالکریم** ۔صدر مسجد اشرف کریم کشن باغ، حیدرآباد

اپنی بات

ماہ مئی ۲۰۲۱ء میں عید الفطر آئی، مبارکبادی کا سلسلہ بھی رہا مگر اس مرتبہ کی مبارکبادی میں وہ جوش وخروش نہیں رہا، کیونکہ ہمارے ملک اور پوری دنیا کی حالت کرونا سے ناگفتہ بہ ہوچکی ہے۔ نئے کپڑے ضرور فروخت ہوئے مگر بیشتر کفن کے کپڑے تھے، لکڑیاں لاشوں کے جلانے کے لیے کم پڑ گئیں، بے بس لاشوں کو گنگا اور نہ جانے کن کن ندیوں اور کنوؤں میں ڈال دیا گیا، بس اس کا غم وہی جانتا ہے یا اس کا خاندان جانتا ہے۔ وہ گنگا جو ہمارے ملک کی شان اور آن کہی جاتی ہے اور برادرانِ وطن کے لیے مقدس ہے مگر اس وبا اور غلط منصوبہ بندی نے گنگا کی شان اور اس کے تقدس کو پامال کردیا۔ ایسی صورت میں ہمارے ملک کی عوام حکمرانوں کو سوالیہ نشان کے ساتھ دیکھ رہی ہے۔

اللہ رب العزت نے جس قوم پر ذلت اور مسکنت کا ٹھپہ لگادیا ہو اور وہ قوم اپنی عارضی طاقت کے بل بوتے پر کمزوروں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ رہی ہے، ستم بالاستم یہ ہے کہ اس قوم کے چاروں طرف مسلم ممالک ہیں، جو صرف میٹنگ کے ذریعہ مذمت اور کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں، پوری دنیا کے غیور انسان ان کی بزدلی پر تھوک رہے ہیں اور بین الاقوامی اداروں اور اقوامِ متحدہ سے یہ سوال کر رہا ہے کہ جنگ کب چلتی رہے گی اور کب تک فلسطینیوں کے خون سے ہولی کھیلی جائے گی، یہود غزہ سے کب اور کیسے نکلیں گے، پوری دنیا میں ایک تہائی بسنے والے مسلمانوں پر اور انصاف پسند انسانوں پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ ہر ممکنہ فلسطین اور مسجد اقصیٰ حفاظت کے لیے تیار ہوجائیں اور آواز اٹھائیں۔ بقول شاعر ؎

کچھ نہ کہنے سے بھی چھن جاتا ہے اعزازِ سخن
ظلم سہنے سے بھی ظالم کی مدد ہوتی ہے

اللہ رب العزت فلسطینیوں کی غیبی مدد فرمائے آمین۔

کثیر اموات کی خبروں نے دردمند انسانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے اور ہر آدمی سہما سہما سا نظر آرہا ہے۔ حالانکہ ہمیں یقین ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے، جس کا وقت آجائے گا، اس کو کوئی بچا نہیں سکتا اور جس کی زندگی باقی ہے، اسے دنیا کی کوئی طاقت مار نہیں سکتی۔ حالیہ دنوں میں متعدد عظیم ہستیاں اس دارِ فانی سے کوچ کرگئیں۔ انہیں میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی، مولانا سید قاری محمد عثمان منصور پوری، مولانا محمد نور عالم خلیل امینی، پروفیسر شمیم حنفی، ڈاکٹر فخر الدین محمد، ماسٹر حافظ صلاح الدین جاوید وغیرہ ہیں۔ اللہ رب العزت جملہ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس عطا فرمائے، پسماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل دے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے آمین۔ ادارہ ان عظیم ہستیوں کی علمی، وسماجی خدمات پر خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

محمد محامد ہلال اعظمی

رہبر پرتاب گڑھی

پرتاب گڑھ اتر پردیش

حمد و مناجات

ساری مخلوق کا ایک تو ہی خدا
تیرے در کے بھکاری ہیں شاہ و گدا

جن و انسان سب تیرے محتاج ہیں
دور کردے تو مالک یہ ساری بلا

دردِ دل دیدے سینوں میں انسان کے
فرض سے اپنے غفلت نہ ہوا اے خدا

مانگو اللہ سے اپنی سب حاجتیں
اس کا دروازہ سب کے لیے ہے کھلا

پوری انسانیت کی جو خدمت کرے
بالیقیں اس کو اللہ دے گا جزا

کشتیِ اہلِ ایمان کو پار کر
مشکلوں میں ہے یہ امتِ مصطفیٰ

بابِ توبہ ابھی ہے کھلا جان لو
عفو رہبر کرے گا خدا ہر خطا

محی الدین احمد ابوالکلام آزاد

ابوسلمان شاہجہانپوری کی مرتب کردہ کتاب 'ارمغان آزاد' میں موجود مولانا آزاد کی خوبصورت نعت

نعت ﷺ

موزوں کلام میں جو ثنائے نبی ہوئی
تو ابتدا سے طبع رواں منتہی ہوئی

ہر بیت میں جو وصفِ پیمبر رقم کیے
کاشانۂ سخن میں بڑی روشنی ہوئی

ظلمت رہی نہ پرتوِ حسنِ رسول سے
بیکار اے فلک شبِ مہتاب بھی ہوئی

ساقی سلسبیل کے اوصاف جب پڑھے
محفل تمام مست مے بیخودی ہوئی

دل کھول کر رسول سے میں نے کیے سوال
ہرگز طلب میں عار نہ پیشِ سخی ہوئی

تاریک شب میں آپ نے رکھا جہاں قدم
مہتابِ نقش پا سے وہاں روشنی ہوئی

ہے شاہِ دیں سے کوثر و تسنیم کا کلام
یہ آبرو تمام ہے حضرت کی دی ہوئی

سالک ہے جو کہ جادۂ عشقِ رسول کا
جنت کی راہ اس کے لیے ہے کھلی ہوئی

آزاد اور فکر جگہ پائے گی کہاں
الفت ہے دل میں شاہِ زمن کی بھری ہوئی

اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ شبلی نعمانیؒ

ایک دن چند صحابہؓ خاص اس غرض سے ازواجِ مطہراتؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آنحضرت ﷺ کی عبادت کے حالات دریافت کریں ، وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت ﷺ رات دن عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے، حالات سنے تو ان کے معیار کے موافق نہ تھے، بولے کہ بھلا ہم کو آنحضرت ﷺ سے کیا نسبت؟ ان کے پچھلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کردیئے ہیں، پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزے رکھوں گا، ایک اور صاحب نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا، آنحضرت ﷺ سن رہے تھے، فرمایا کہ ”خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں ، جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے۔“

کسی غزوہ میں ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا، جس میں پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیاں تھیں خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو عرض کی، یا رسول اللہ! مجھ کو ایک غار مل گیا ہے، جس میں ضرورت کی سب چیزیں ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشیں ہو کر ترک دنیا کرلوں، آپؐ نے فرمایا ”میں یہودیت یا نصرانیت لے کر دنیا میں نہیں آیا ہوں، میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لے کر آیا ہوں۔“

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی: مداحی اور تعریف کو بھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ مجلسِ اقدس میں ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین میں سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپؐ نے فرمایا ”تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی“ یہ چند بار فرمائے، پھر ارشاد کیا کہ تم کو اگر کسی کی خواہی نہ خواہی مدح کرنی ہو تو یوں کہو کہ میرا ایسا خیال ہے۔“

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کر رہا تھا حضرت مقدادؓ بھی موجود تھے، انھوں نے زمین سے خاک اٹھا کر اس کے منہ میں جھونک دی اور کہا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ مداحوں کے منہ میں خاک بھر دیں۔ (۴)

ایک دفعہ آپ مسجد میں تشریف لائے، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، مجحن ثقفیؓ سے پوچھا، یہ کون ہے؟ مجحنؓ نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی، ارشاد فرمایا ”دیکھو، یہ سن نہ پائے نہیں ورنہ تباہ ہو جائے گا، یعنی دل میں غرور پیدا ہوگا، جو موجب ہلاکت ہوگا۔“

ایک دفعہ اسود بن سریع جو شاعر تھے، خدمت عالی میں آئے اور عرض کی کہ ”میں نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح میں اشعار کہے ہیں“ فرمایا کہ ہاں خدا کو حمد پسند ہے، اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے اسی اثنا میں کوئی صاحب باہر سے آگئے، آپ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد چلے گئے، پھر اسود نے پڑھنے شروع کیے ، وہ صاحب پھر آگئے، آپ ﷺ نے اسود کو روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہیں جن کے لئے آپ مجھ کو بار بار روک دیتے ہیں، فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتیں پسند نہیں کرتا۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ 9838573645

دیباچوں میں ذکر شبلی کا مطالعہ

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی

نامور عالم و محقق، مصنف اور سیرت نگار پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی (پ: ۲۶/دسمبر ۱۹۴۴ء) محض شبلی کے شیدائی نہیں اس وقت برصغیر میں ان کے علوم افکار کے سب سے بڑے شارح وترجمان ہیں، وہ شبلی وسلیمان کی سیرت نگاری سے متاثر ہیں اور اس کا برملا وہ اعتراف کرتے ہیں اور ان کی سیرت نگاری کے مختلف پہلوؤں پر انھوں نے دسیوں محققانہ مقالات سپرد قلم کر چکے ہیں، انھیں جمع کر دیا جائے تو شبلیات میں ایک گراں قدر اضافہ ہوگا۔

پروفیسر موصوف علوم اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے ہیں، جدید علوم وافکار سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ مختلف موضوعات بالخصوص سیرت پر ان کی پچاس سے زائد تحقیقی کتابیں ملک وبیرون ملک سے شائع ہوچکی ہیں، سیرت ان کے مطالعہ وتحقیق وتصنیف کی اصل جولان گاہ ہے اور اس میدان میں انھوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں جنھیں ہماری تاریخ کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔ ان کی سب سے بڑی خوبی بلکہ سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے سیرت کے نت نئے گوشوں کی نہ صرف نشاندہی کی بلکہ ان پر انتہائی فاضلانہ کتابیں قلم بند کیں، جن سے ہمارے عہد میں سیرت نبویؐ کے مطالعہ وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے رجحان میں تیزی آئی، وہ اپنی پوری زندگی اور سب صلاحتیں اس پر صرف کررہے ہیں۔ ہمارا ادبی سرمایہ جب سیرت نبویؐ کے مقدس لٹریچر سے خالی تھا علامہ شبلی نے اس وقت سیرت اکیڈمی کا تصور پیش کیا تھا، ان کے جانشین مولانا سید سلیمان ندوی نے تصورات شبلی کی تکمیل میں مدۃ العمر منہمک رہے، سیرت کا دائرہ انھوں نے کافی وسیع کیا، سیرت کی پانچ جلدیں الگ، خطبات مدراس اور حمت عالم نے جو اثرات مرتب کئے اس سے اہل علم واقف ہیں، اس سلسلہ کو نئی تگ وتاز اور نئی بلندیاں اور نئے آسمانوں سے ہمکنار کرنے والا پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کے سوا برصغیر میں اور کون ہے۔ اللہ تعالی ان کی عمر میں برکت دے۔

پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنی کئی کتابوں میں شبلی، ان کے کارناموں بالخصوص سیرت نبویؐ اور اس سے ان کے والہانہ لگاؤ اور ان کی عظمتوں کا ذکر کیا ہے اور کئی جگہ تنقید بھی کی ہے۔ اور اس لحاظ سے تو ان کا کوئی ثانی نہیں کہ الفاروق کو انھوں نے ایک سمینار کا موضوع قرار دیا اور دو روزہ قومی سمینار منعقد کر کے اور ملک کے نامور اہل قلم کو جمع کر کے اور ان سے الفاروق کے مختلف گوشوں پر محققانہ مقالات لکھوا کر کے یہ ثابت کردیا کہ شبلی کی تصنیفات اور تحقیقات بھی ہمارے موضوع تحقیق وتصنیف کا بنیادی حصہ بن سکتی ہیں۔

۲۰۰۱ء میں ادارہ علوم اسلامیہ علی گڑھ میں سمینار منعقد کیا اور دو روز تک ہر طرف ایک بار پھر علی گڑھ کی فضاؤں میں فاروق اعظم کے کوکبہ جلال کا ذکر رہا، ۲۰۰۲ء میں سمینار میں پیش کئے گئے، مقالات کا مجموعہ شائع ہوا، اس کے دیباچے میں الفاروق کی اہمیت عظمت، تحقیقات شبلی کی انفرادیت اور اس کے بلند معیار تحقیق وتصنیف اور اسلوب نگارش کا ایسا عمدہ تجزیہ پیش کیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں پیش کیا گیا تھا۔ الفاروق پر کم نظر اہل علم کی طرف سے متعدد اعتراضات وارد ہوتے رہے ہیں، ان کا ایسا مدلل جواب لکھا کہ شاید اب اس طرح کے اعتراضات کی کوئی جرأت نہ کرسکے۔ انسانی تخلیق چاہے وہ شبلی ہی کی کیوں نہ ہوئے اغلاط سے پاک نہیں قرار دی جاسکتی، اس کے پروفیسر موصوف بھی قائل ہیں مگر بے جا اور لغو اعتراضات کو جائز بھی نہیں قرار دیتے۔ اس دیباچہ کے چند اقتباسات سے اس کا اندازہ ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

''الفاروق کی سب سے بڑی فضیلت آج بھی یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کی حیات وعہد پر اس سے بہتر کتاب ابھی تک نہیں لکھی گئی ہے۔ اردو، عربی، فارسی، انگریزی کی حد تک یہ بات دعوے کی حد تک کہہ سکتا ہوں۔ دوسری زبانوں میں اگر اس پایہ کی کتاب لکھی گئی تھی تو ہم تک نہیں پہونچی۔ ایمان ویقین کی دنیا تبلیغ وعلم سے ہی آباد ہوتی ہے۔ الفاروق ہمارا مشاہدہ ومطالعہ بھی ہے اور علم وایقان بھی۔ (الفاروق ایک مطالعہ ص۵)

یہ تو ان کا علم وایقان تھا، علمی وتحقیقی اعتبار سے الفاروق کو وہ اور بلند درجہ دیتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

''وہ ایک تحقیقی، تاریخی اور علمی کتاب ہے۔ تحقیق کے تین بنیادی معیار ہوتے ہیں۔ مواد کی جمع وتدوین، اس کی چھان پھٹک، تحلیل وتنقیح اور تنقیدی وتجزیاتی انداز میں اور قابل قبول اسلوب میں اس کی پیش کش۔ الفاروق ان تینوں معیاروں پر کھری اترتی ہے۔ سوانح فاروقی اور تاریخ اسلام کے تمام دستیاب مصادر سے مواد تحقیق جمع ومدون کیا گیا۔ ان کی خوب تنقیح وتحلیل کی گئی۔ تنقید وتجزیہ سے ان کو گذارا گیا اور خوبصورت حسین ادبی علمی اسلوب میں اسے پیش کیا گیا''۔ (ایضاص۶)

الفاروق پر جو تنقیدیں ہوئیں ان کے بارے میں صدیقی صاحب کا خیال ہے کہ وہ نقادوں کی کم نظری کی وجہ سے ہوئیں، وہ تحقیق وتنقید کے جاں سوز مراحل سے نہیں گذرے تھے لیکن پھر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ الفاروق کتابوں کا تاج محل ہے:

''تاریخ نویسی میں تمام دستیاب مواد کا استقصا ممکن ہے نہ مطلوب، ضروری اور بنیادی مواد کا جوہر اور عطر کشید کرکے اسے صحیح تناظر میں پیش کرنا واجب ہے اور شبلی نے یہ فریضہ بخوبی انجام دیا ہے بالخصوص الفاروق میں ان کا فن تاریخ نویسی اپنے بلند ترین معیار پر ہے۔ اگرچہ ان کو اپنے زمانے میں بعض اہم ترین مصادر حاصل نہ تھے۔ لیکن ان کی کمی انھوں نے

دستیاب ماخذ کی روایات اور شواہد سے اکتساب نور کر کے خلاؤں کو پرنور کر دیا۔ آج تمام مصادر وماخذ کی موجودگی اور حصول ودستیابی کے باوجود الفاروق جیسی کتاب نہیں لکھی جاسکتی۔ کیوں کہ مواد کی موجودگی اور حصول ودستیابی جتنی ضروری ہے اس سے کہیں زیادہ لازمی ہے اس ملبہ سے تعمیر کی صلاحیت، تاج محل بار بار نہیں بنا کرتے۔ نہ مسجد قرطبہ دوبارہ تعمیر ہوسکتی ہے''۔ (ایضاص ۷)

الفاروق پر کی گئی تنقیدوں کا بھی انھوں نے علمی انداز میں جائزہ لیا ہے اور ان کی کم مائیگی دکھلائی ہے، جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی نے سیرۃ النبیؐ کو دل سے اور الفاروق کو دماغ سے لکھی گئی کتاب لکھا ہے، پروفیسر یسین مظہر صدیقی اسے ستم قرار دیتے ہیں اور اسے ایک غلط موازنہ بتاتے ہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ

''رہی شاگرد رشید کی دل ودماغ کی کشمکش، یہ شبلی کی نہیں ان کی اپنی تھی۔ الفاروق میں شبلی کا دل بھی اسی طرح دھڑکتا ہے جس طرح ان کا دماغ جلوہ سامانی کرتا ہے۔ وہ سیرت النبیؐ سے دل ودماغ کی ہم آہنگی میں کسی طرح کم نہیں، بس فرق ہے کوکب فیض کے معیار واعتبار کا۔ سیرت النبی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین، سید المرسلین اور شہنشاہ دوعالم کی سیرت وتاریخ ہے۔ اس سے شیفتگی اور فریفتگی شبلی کا جز وایمان ہے''۔ (ایضاص ۹)

۱۹۹۹ء میں صدیقی صاحب کی ایک اہم کتاب ''غزوات نبویؐ کی اقتصادی جہات'' شائع ہوئی، اس کا انتساب علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کے نام ہے۔ دوسری کتاب ''بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات'' کے دیباچہ میں شبلی کا دو جگہ نام لیا ہے۔ پہلے مقام پر مورخین کے افراط وتفریط کے سلسلے میں شبلی کے ایک قول کی تشریح ہے اور اچھے انداز میں نہیں ہے۔ دوسری جگہ شبلی کے اس خیال سے کہ یورپین مورخین سیرت پر جو اعتراض کرتے ہیں بے پتہ نہیں کرتے کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

''بلا ریب ہماری اس روسیاسی میں بقول شبلی مرحوم سیاہی ہمارے قدیم تاریخی مصادر نے فراہم کی ہے مگر یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے اور قدیم راویوں اور مورخوں کے شرف وعظمت کی علامت بھی ہے کہ ان کی تحریروں میں بہت سی روشنائی بھی موجود ہے جس سے اسلام، سابقین اور اسلاف کے روشن وتابناک چہروں کو ان کی اپنی روشنی اور تابناکی سمیت آئینہ کے مقابل کیا جاسکتا ہے۔ (بنو ہاشم اور بنو امیہ کے معاشرتی تعلقات ص ب)

گویا صدیقی صاحب اس سے اتفاق نہیں رکھتے، لیکن شبلی نے خود مورخین یورپ کی تردید انھیں ماخذ سے کی ہے۔

پروفیسر صدیقی کی مشہور کتاب مصادر سیرت نبویؐ دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور بلاشبہ یہ ان کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ اس میں انھوں نے شبلی وسلیمان کی سیرۃ النبیؐ کو بھی مصادر میں شامل کیا ہے۔ البتہ اس میں

انھوں نے جو مبسوط مقدمہ لکھا ہے اور جہاں اردو کی کتابوں کا ذکر کیا ہے وہاں سیرۃ النبیؐ کا نام بھی نہیں لیا ہے۔ البتہ اپنی ایک اور اہم کتاب ''عہد نبوی کا تمدن'' کے دیباچہ میں شبلی کے نقطۂ نظر پر تنقید کی ہے، عرب اسلامی تمدن کے سلسلہ میں علامہ شبلی کا جو نقطۂ نظر تھا اسے پروفیسر صدیقی نے تسامح اور شاخسانہ سے تعبیر کیا ہے۔ (عہد نبوی کا تمدن، مقدمہ ص ۱۲) تسامح تو ہوسکتا ہے مگر اسے شاخسانہ سے تعبیر نہیں کیا جانا چاہئے۔

علامہ شبلی کو عرب تمدن کے سراغ نہ ملے اور انھوں نے جن الفاظ سے ان کے معنی و مفہوم نکالے وہ ممکن ہے درست نہ ہوں مگر ان کی تردید نو دریافت مواد کو جس انداز سے لکھا گیا ہے وہ اردو کے سب سے بڑے سوانح نگار کے شایان شان نہیں۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اس موضوع پر انتہائی گہرائی اور تحقیق سے مطالعہ اور اپنے موقف کی تائید میں مضبوط شواہد کا پیش کرنا ہمارے کرم فرما پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا کارنامہ ہے۔

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی (پ: ۱۹۵۰ء) مدرسۃ الاصلاح کے نامور فرزند اور صاحب نظر عالم وادیب اور مصنف ہیں، ان کے قلم سے مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زیادہ محققانہ کتابیں نکل چکی ہیں، وہ علامہ شبلی کے کارناموں کے بڑے واقف کار، شیدائی اور دارالمصنّفین کی مجلس انتظامیہ کے رکن ہیں۔ تدریسی زندگی مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں بڑی نیک نامی گذاری، سبکدوشی سے ذرا پہلے شعبہ کے مجلّہ ''علوم اسلامیہ کا شبلی نمبر'' مرتب کیا، شبلی صدی کے موقع پر ملک وبیرون ملک سے رسائل کے جو خصوصی شمارے شائع ہوئے ان میں اپنے مشمولات کے لحاظ سے یہ خصوصی اشاعت قابل ذکر ہے، اس کے ادارتی کلمات سے پروفیسر موصوف کے چند جملے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:

''علامہ شبلی کی شخصیت جیسا کہ بخوبی معروف ہے کثیر الجہات ہے، اور ان کے تصنیفی وتالیفی کارناموں اور ملی وقومی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔

علی گڑھ میں علامہ شبلی کی تقریباً ۱۶؍سالہ زندگی علمی وعملی دونوں اعتبار سے بڑی اہم سمجھی جاتی ہے اور بقول ایک مصنف مولانا شبلی کی زندگی کی کتاب میں ان کا قیام علی گڑھ ایک یادگار باب ہے۔

اسلام اور اسلامی علوم کے تئیں علامہ شبلی کی خدمات کا ایک بہت ہی اہم پہلو اسلام، اسلامی علوم، قرآن مجید، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قوانین شریعت پر مستشرقین کے بے جا الزامات، نازیبا بیانات اور لغو اعتراضات کی مدلل تردید اور ان کا مسکت جواب دینا ہے۔

علامہ شبلی ایک ادیب اور قادر الکلام شاعر کی حیثیت سے بھی مشہور ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ انھوں نے عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں طبع آزمائی کی اور ایام علی گڑھ کی یادگاروں میں ان سب زبانوں میں ان کا کلام ملتا ہے۔ (مجلّہ علوم اسلامیہ شبلی نمبر ص ۹۔۱۱)

مولانا حبیب الرحمن۔حیدرآباد

نجات کا اٹل قانون

ان باتوں کی سچائی کے ثبوت میں خود شیطان کا بیان پیش ہے وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا أَنفُسَكُم مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ (ابراہیم ۲۲) ''حشر کے دن جب فیصلہ کردیا جائے گا تو شیطان (انسانوں سے) کہے گا کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے جتنے وعدے کئے تھے، میں ان سب کے خلاف کیا اور میرا تم پر کوئی بس نہ چلتا تھا مگر یہ کہ میں نے تم کو بلایا تو تم نے میری بات کو مان لیا، پس تم مجھ کو الزام نہ دو اور تم اپنے آپ کو ملامت کرو، نہ میں تمہیں (اللہ کے عذاب) سے بچا سکتا ہوں اور نہ تم مجھ کو (اللہ کے عذاب) سے بچا سکتے ہو'' اس کے علاوہ حشر کے دن شیطان رب سے کہے گا رَبَّنَا مَآ أَطْغَيْتُهُ' وَلَٰكِن كَانَ فِي ضَلَٰلٍ بَعِيدٍ (ق) ''اے ہمارے رب! میں نے اس کو سرکش نہیں بنایا بلکہ یہ خود ہی پرلے درجے کی گمراہی میں پڑا ہوا تھا''

مندرجہ بالا سے قطعی ثابت ہے کہ انسانوں کو رتی برابر بھی نہ مالی نہ جسمانی نفع ونقصان پہنچانے کا اختیار شیطان وجن کو دیا گیا ہے۔ چونکہ کوئی انسان بھی سوائے سلیمانؑ کے شیطان و جن کو نہیں دیکھ سکتا اور جن و شیاطین اپنے آپ کو دکھا سکتے ہیں۔ تو پھر ان کو اپنا موکل بنانے' اپنے قابو میں رکھنے اور قابو میں کرنے اور ان کو بوتل میں بند کرنے اور انسانوں پر بالخصوص عورتوں پر وارد ہونے جیسی تمام باتیں کس قدر جھوٹ اور غلط ہیں ان کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ بات ہر عقل والا سمجھ سکتا ہے۔

شیطان کا بنیادی واحد مقصد اللہ کے نظام پرورش (ٹھوس و مادی ذرائع واسباب پر مبنی) کے خلاف جھوٹ و غلط (مادی وٹھوس اسباب و ذرائع اختیار واستعمال کئے بغیر بھی نفع ونقصان ہوتا ہے جیسے) وہموں میں بنی آدم کو مبتلا کرکے ان کو مستحق دوزخ بنانا ہے، جیسا کہ فرمایا گیا ہے

۱) كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ (الحج) ''اس کی نسبت یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا وہ اسے گمراہ کرکے رہے گا اور عذابِ جہنم کا راستہ دکھائے گا إِنَّ الشَّيْطَٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے اس لئے تم بھی اسے اپنا دشمن سمجھو وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لئے بلا رہا ہے تاکہ وہ دوزخیوں میں شامل ہوجائیں''

غور کیجئے شیطان جس کا بنیادی مقصد بنی آدم کو مستحق

دوزخ بنانا ہے تو کیا وہ اس پر وارد ہو کر اس کو مخبوط الحواس بنا کر اس کو دوزخ سے بچانے کا باعث بن سکتا ہے۔ جب شیطان ایسا ہرگز نہیں کر سکتا تو وارد ہونے اور اتارنے کی تمام باتوں کے غلط جھوٹ ہونے کے لئے کیا اب بھی کسی دلیل وثبوت کی ضرورت ہے؟ عموماً کہا جاتا ہے کہ شیطان نے انسانوں کو بھٹکانے کے لئے اللہ سے مہلت مانگی ہے۔ حالانکہ حقیقتِ واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ آدمؑ کو سجدہ کرنے کے حکمِ الٰہی پر عمل نہ کرنے کا جرم کیا ہے۔ اپنے اس جرم کی حقیقی وواقعی جو سزا ہے اس کو حشر کے دن تک ملتوی کرنے کے لئے اللہ سے دعا کیا ہے، جس کو قبول کر لیا گیا (الاعراف ۱۴، ۱۵، الحجر ۳۷، ص ۷۹، ۸۰)۔

مرنے کے بعد کوئی بھی کسی طرح بھی پھر دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء) ''اور ہم جن بستیوں کو ہلاک کر چکے ہیں ان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ پھر لوٹ کر آئیں'' یہی بات سورہ مریم ۹۸، یٰسین ۲۶ تا ۳۱ میں بھی فرمائی گئی ہے۔ اس لئے سایہ سپٹ، وارد ہونا، کھندلہ، بھوت، پریت محض یا تو وہمی باتیں ہیں یا دماغی یا نفسیاتی امراض ہیں یا جھوٹ وڈھونگ ہے۔ امراض کا علاج کروانے کا حکم دیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ دعا بھی کرنی چاہئے۔

نظرِ بد

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ (النور ۳۰) ''اے نبی! ایمان والے مردوں سے کہو وہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں'' وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ (النور ۳۱) ''اور ایمان والی عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں''

ان احکام کے علاوہ پردے کے احکامِ الٰہی (احزاب ۵۳) سے نظر لگنے کی بات کا غلط وجھوٹ ہونا ثابت ہے۔ لیکن اَلْعَيْنُ حَقٌّ (بخاری، کتاب الطب) ''نظر حق ہے'' سے نظر لگنے کی غلط بات پھیلائی گئی ہے جو قطعاً قرآن کے خلاف اور واقعات اور مشاہداتی طور غلط وجھوٹ ہے۔ اگر واقعی نظر لگتی تو عورتیں خود بخود اور بغیر حکمِ الٰہی کے پردہ کرتیں اور میک اپ کے لئے جو بلین ڈالرس خرچ کئے جارہے ہیں وہ بچ جاتے۔

اَلْعَيْنُ حَقٌّ ''نظر حق ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے سے دیکھنے والے کا ذہن متاثر ہوتا ہے، جس کو دیکھا جاتا ہے اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی۔ ہر سال منتخبہ حسینہ کو کروڑہا مرد وعورت دیکھتے ہیں، لیکن کسی حسینہ میں بھی کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی بلکہ اس کو دیکھنے والوں کے ذہن کا متاثر ہونا ہر ایک تجربے اور مشاہدے میں ہے۔ یوسفؑ کو دیکھنے والیوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ (یوسف ۳۱)

نحوست و برکت

شئے، مقام، شخص، ساعت، دن ورات، ماہ یا سال کو مبارک یا منحوس سمجھنا شیطان کا پیدہ کردہ وہم ہے، اس لئے یہ شرک ہے کیونکہ تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ (الملک ۱) ''تمام برکتوں کے مالک (اللہ) ہی کے ہاتھ میں کائنات کی پوری حکومت ہے'' یہی بات متعدد جگہ بیان ہوئی ہے، مثلاً سورہ اعراف ۵۴، الفرقان ۱، ۱۰، ۶۱۔ اور برکت حاصل کرنے کا قانونِ الٰہی یہ ہے کہ اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کی کوشش کی جائے (المائدہ ۶۶، الاعراف ۹۶)۔

پروفیسر رحمت یوسف زئی۔ سابق صدر شعبہ اردو یونیورسٹی آف حیدرآباد

خورشید احمد جامی

جنوبی ہندستان کا وہ حصہ جو دکن کہلاتا ہے، شعری اور نثری تخلیقات کے ضمن میں پہلا مقام رکھتا ہے کیوں کہ تقریباً ہر صنف کا آغاز یہیں سے ہوا۔ یہیں اُردو ادب کی بیشتر کتابیں منظرِ عام پر آئیں اور مخطوطات کی شکل میں محفوظ ہوئیں۔ یہاں کے شعرا خصوصاً ولی نے اپنی شاعری سے شمالی ہند کو کچھ اِس طرح متاثر کیا کہ وہاں اُردو میں شاعری کا ڈنکا بجنے لگا اور وہیں زبان کو اِظہار اور آہنگ کو سجایا گیا۔ لیکن دکن میں بولی جانے والی زبان کا انداز قدیم ہونے کی وجہ سے اُسے پوچ قرار دے دیا گیا۔ اُس دور میں آج کی طرح چھاپے خانے نہ تھے بلکہ کتابیں دستی تحریر میں ہوا کرتی تھیں۔ بعد میں جب مشینی طباعت شروع ہوئی تو کتابیں ضرورت مندوں تک بہ آسانی پہنچنے لگیں۔ خورشید احمد جامی کا خمیر بھی دکن سے ہے اور اُنھوں نے ہندوستان میں اُردو کے شعری میدان میں جو مقام بنایا وہ اظہر من الشمس ہے۔

خورشید احمد جامی حیدرآباد سے بے حد محبت کرتے تھے اور اگر کوئی حیدرآباد کی تہذیب اور زبان پر طنز کرتا تو وہ برانگیختہ ہو جاتے تھے۔ مجھے سن یاد نہیں، دہلی کے مشہور شاعر گلزار دہلوی کسی پروگرام میں شرکت کے لیے حیدرآباد تشریف لائے تھے۔ ایک شام اُنھیں نواب ہاشم الدولہ نے اپنے گھر مدعو کیا اور ایک مختصر سی شعری محفل سجائی۔ حیدرآباد کے چند شاعروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا جن میں یہ حقیر بھی شامل تھا اور شاید پروفیسر مسعود حسن خان صدر شعبۂ اردو، عثمانیہ یونیورسٹی بھی مدعو کیے گئے تھے۔ کسی شاعر نے اپنی غزل سناتے ہوئے لفظ ''قندیل'' کو زبر سے ادا کیا تو گلزار دہلوی کھڑے ہوگئے اور کرخت انداز میں کہا ''قِندیل''، ''میں غلط تلفظ برداشت نہیں کر سکتا''۔ جامی صاحب بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور سخت لہجے میں کہا ''گلزار صاحب، آپ مہمان ہیں اور ہم آپ کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی حیدرآباد کی زبان اور لہجے کی بھی عزت کرتے ہیں۔ یہاں قندیل کو زبر سے کہا جاتا ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔ گلزار دہلوی نے چُپ سادھ لی اور بیٹھ گئے۔ تو یہ دراصل خورشید احمد جامی کی حیدرآباد سے محبت کا نتیجہ تھا۔

خورشید احمد جامی کی تاریخ پیدائش ۱۵ مئی ۱۹۱۵ء ہے جو ڈاکٹر جہانگیر احساس نے کافی جستجو اور تحقیق کے بعد اپنے تحقیقی مقالے ''خورشید احمد جامی، فکری اور فنی جہات'' میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ اُنھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ جامی کے تولّد ہونے کے بعد اُن کے نانا قاضی صدیق احمد فہیم نے خورشید احمد جامی رکھا، جامی عرفیت تھی جسے جامی نے اپنا تخلص بنالیا۔

خورشید احمد جامی کی نظموں کا ایک مجموعہ ''شرارے'' (جو غالباً اُن کا پہلا مجموعہ ہے) دے ۱۳۵۲ ف (مطابق نومبر ۱۹۴۲ء) منظرِ عام پر آیا۔ اُسے لوگوں نے پسند کیا اور ساری کاپیاں فروخت ہوگئیں تو جامی نے اُس کا دوسرا ایڈیشن کچھ تبدیلیوں کے ساتھ خورداد ۱۳۵۳ ف (مطابق اپریل

۱۹۴۳ء) میں شائع کیا۔میرے ہاں دوسرا ایڈیشن ہی ہے۔

شرارے کے پہلے ایڈیشن پر مولوی سر محمد یعقوب مرحوم شیر اصلاحات ریاست حیدرآباد نے جو دیباچہ لکھا، اُس کی تاریخ ۱۴ نومبر ۱۹۴۲ء ہے۔عنوان میں ہی جامی نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ''فسطائیت کے خلاف چند تصورات'' پرمبنی ہے۔

''دو باتیں'' کے عنوان سے اُنھوں نے جو دیباچہ تحریر کیا اُس میں اُن کا ذہن واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا ہے۔لکھتے ہیں:

''میرا عقیدہ ہے کہ دنیا کا ہر وہ نظام جس کے تصورات خبطِ برتری میں اُلجھے ہوئے ہوں اور جس کی خونی تمنائیں قہقہے لگاتی ہوئی دوسری اقوام کی آزادی اور انفرادیت کا گلہ گھونٹ رہی ہوں،نفرت کیے جانے اور مٹا دیے جانے کے لائق ہیں۔(ص ۸ شرارے)

اپنے مزاج اور اپنی سوچ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

''میرے ذوقِ شعر نے صرف جذبات اور مشاہدات کے سائے میں پرورش پائی ہے۔فن اور اصطلاحات کے فلک بوس اور سنگین ایوانوں سے بھی دور رہا ہوں اور سیاست کی بارگاہوں سے بھی الگ۔''

(ص ۹،شرارے ۷ خورداد ۱۳۵۳ اف)

اور اپنی شاعری پر''میرے اشعار'' کے عنوان سے لکھی گئی نظم میں وہ کہتے ہیں:

عرش سے توڑ کر لائے ہوئے تارے ہیں یہ جنگ
کے گیت ہیں ، ہستی کے شرارے ہیں یہ
(ص ۱۹)

''جنگ کے دیوتا سے''میں وہ جنگ سے پیدا ہونے والی بدحالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اُس وقت موجود صورتِ حال کی طرف قاری کو اس طرح متوجہ کرتے ہیں:

اے حریفِ آب و گل اے حرص و دولت کے غلام
دہر کو تو نے دیے ہیں کس قدر خونیں پیام
چھا گئی ہے ظلم کی تیرے سیاہی کس قدر
تو نے پھیلائی ہے دنیا میں تباہی کس قدر
(ص ۳۵)

اِس صورت حال کے خلاف لڑنے والے فوجیوں کو یوں ہمت دیتے ہیں اور روس کی سرخ فوج کے لیے وہ کہتے ہیں:

السلام اے سرخ جانباز انِ ہستی السلام
سرفروشی ہے تمہاری لائقِ صد احترام

اور اِس نظم کا آخری شعر یوں ہے:

سرخ پرچم کی قسم ، انسانیت کا واسطہ
وقت کے ہاتھوں سے بڑھ کر چھین لو ہستی کا جام
(ص ۳۱)

اِس مجموعے کو پڑھتے ہوئے بظاہر یہ احساس ہوتا ہے کہ جامی کا مزاج ترقی پسندی کی طرف مائل ہے۔کئی قارئین نے یہی کہا ہے کہ خورشید احمد جامی کمیونسٹ تھے۔مگر یہ کہنا میرے خیال میں درست نہیں کہ خورشید احمد جامی کمیونسٹ تھے یا کمیونسٹ نظریات سے متاثر تھے۔وہ اُس دور میں ہونے والی کمینہ قسم کی حرکتوں سے اپنے انداز سے نمٹنے کی کوشش کر رہے تھے۔اُن چند برسوں کی تاریخ دیکھی

جائے تو خون ریزی ہی نظر آئے گی۔ طاقت ور ممالک کمزور ممالک کو برباد کررہے تھے۔ فسطائیت اپنے عروج پر تھی جس کے خلاف اتحادی کام کر رہے تھے اور اُن اتحادیوں میں روس بھی شامل تھا۔ اِسی لیے اُنھوں نے سرخ پرچم اور انسانیت کا واسطہ دے کر اُنھوں نے وقت کے ہاتھوں سے زندگی کا جام چھین لینے کی بات کہی۔

ایک عرصہ قبل غالباً ۱۹۹۱ء میں جموں یونیورسٹی کے ایک کورس میں شرکت کے لیے گیا تھا، میرے ساتھ غیاث متین اور بیگ احساس بھی تھے۔ تقریباً ایک ماہ ہم نے وہاں قیام کیا۔ وہاں مجھے پروفیسر جگن آزاد سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ میں اُن کے مضامین کا ایک مجموعہ ''نشانِ منزل'' پڑھ چکا تھا، جس میں ایک مضمون خورشید احمد جامی پر بھی ہے۔ میں نے اس مضمون کے بارے میں کہا کہ اس ضمن میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ کتاب میرے ساتھ نہیں تھی لیکن جگن ناتھ آزاد نے الماری سے کتاب نکالی اور کہا دیکھئے اس کتاب میں اور آپ کا اعتراض واضح کیجئے۔

میں نے خورشید احمد جامی پر لکھا اُن کا مضمون نکالا اور صفحہ ۱۳۰ اور ۱۳۱ پر موجود کچھ حصے پڑھ کر اُن کو سنا ڈالے۔ میرا اعتراض تھا کہ اُنھوں نے خورشید احمد جامی کو ترقی پسند تحریک اور کمیونسٹ پارٹی سے وابستہ قرار دیا اور جامی ہی کی تحریر پیش کر کے یہ گمان کیا کہ جامی کم از کم شعوری طور پر وہ اس تحریک کے ساتھ قدم بہ قدم چلے۔ لیکن جو ٹکڑا اُنھوں نے بطور ثبوت پیش کیا، وہ ترقی پسندی تو نہیں البتہ ایک مہکتی جدیدیت کا سا تاثر ہے۔ اُنھوں نے کہا، آپ کا اعتراض درست ہے لیکن میں نے یہ اِس لیے لکھا کہ اُن کی نظموں میں سرخ فوج کی ستائش بھی ہے۔ میں نے عرض کیا، بالکل صحیح فرمایا آپ نے۔ لیکن اُن کی دوسری نظموں میں سرخ فوج کے ساتھ تمام اتحادیوں کی افواج کو بھی سمیٹ لیا گیا ہے جو فسطائیت کے خلاف لڑ رہی تھیں۔ برطانیہ فرانس وغیرہ نے بھی اس جنگ ہی حصہ لیا تھا اور شانہ بہ شانہ کھڑی تھیں۔ اِس لیے میں مانتا ہوں کہ جامی کمیونسٹ نہیں تھے اور چونکہ سرخ فوج بھی اتحادیوں میں شامل تھی اس لیے اُنھوں نے ستائش کے طور پر وہ نظم لکھی۔ آزاد نے پوچھا'' کیا جامی کمیونزم کے پلیٹ فارم پر رہے، کیا وہ پارٹی کے ممبر تھے؟ میں نے جواب دیا، نہیں وہ کبھی پارٹی ممبر نہیں رہے۔ لیکن بیشتر ہم عصر کامریڈوں سے اُن کے روابط تھے۔ مگر اس بنا پر انھیں کامریڈ نہیں کہا جاسکتا۔ آزاد نے کہا، ٹھیک ہے۔ میں آپ کی بات کو تسلیم کرتا ہوں۔ آگے کبھی موقع ملے تو میں لکھ بھی دونگا۔ اُنھوں نے بعد میں لکھا یا نہیں، میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا لیکن یہ بات میرے نزدیک طئے ہے کہ جامی ظلم کے خلاف تھے اور اُن کی ۱۹۴۸ء تک کے دور کی شاعری میں جو واضح طور پر محسوس ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جامی نے ہمیشہ فسطائیت کو للکارا، ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔ وہ صرف اور صرف امن کے پیغام بر تھے۔

دوسری جنگِ عظیم میں نازی طاقتوں کا خاتمہ ہوا جس کے بارے میں جامی نے ۱۹۴۲ء میں پیش گوئی تھی۔ اُن کی چھوٹی سی چار مصرعوں کی نظم (جسے قطعہ بھی کہا جاسکتا ہے) ''مستقبل کی آواز'' یوں ہے:

گرا چاہتا ہے وہ نازی پھریرا
وہ دیکھو سمٹنے لگا ہے اندھیرا
اٹھو گنگناتا ہوا آرہا ہے
زمانے میں جمہوریت کا سویرا

اہم بات یہ ہے کہ اُس دور میں ہندوستان بھی

غلامی کی آفتیں جھیل رہا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں جمہوریت کا پھریرا لہرایا۔ مجھے لگتا ہے کہ اُنھوں نے ہندوستان کے لیے بھی جمہوریت کا خواب بھی دیکھا تھا جو پورا ہوا۔

خورشید احمد جامی کی غزل گوئی بھی اُس دور کی شاعری سے مختلف ہے۔ اُنھوں نے اپنے عصر کو اپنی غزل میں سمودیا۔ کئی اشعار میں اُنھوں نے اِنسان کی زندگی کو اپنا موضوع بنایا اور اپنے سامعین کو متاثر کیا۔ خصوصاً اُن کی وہ شاعری جو آزادی کے بعد نئے ہندوستان میں اُبھری، اُس میں یہ عنصر زیادہ واضح طور پر سامنے آیا۔ وہ اُس دور کی زندگی سے کماحقہ واقف تھے اور چاہتے تھے کہ اُسے بہتر بنایا جائے۔ اُن کا سیاست سے کوئی واسطہ نہ تھا لیکن سیاسی طور پر جو کچھ ہو رہا تھا اُن سے وہ ناخوش تھے اور اپنی شاعری میں زندگی کے بے پناہ اندھیروں کی طرف متوجہ کر رہے تھے۔ یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

سحر کے راستے میں سر اُٹھائے
اندھیروں کا وہی پربت کھڑا ہے

یہ شہر ہیں کہ صداؤں کے گونجتے جنگل
نہ کوئی جسم نہ چہرہ دکھائی دیتا ہے

خورشید احمد جامی کے کلام میں ایسے بے شمار اشعار ملتے ہیں۔ اِس طرح کا کرخت لہجہ اُس دور میں بالکل نیا تھا اور اِسی لہجے کو اپنا کر شعرا نے اُردو میں جدیدیت کی بنیاد رکھی، یا یوں کہنا صحیح ہوگا کہ خورشید احمد جامی نے جدیدیت کی بنیاد رکھی اور اُردو شاعری کا انداز بدل دیا۔ میرا ماننا ہے کہ جامی وہ پہلے شاعر تھے جس نے اردو کو جدید رجحانات سے نوازا۔ اُنھوں نے پہلی بار اپنی غزل میں ایسا لہجہ اپنایا جو اُن سے قبل کسی شاعر کے پاس نظر نہیں آتا۔ اُن کی لفظیات اور لہجہ زندگی کے تاریک منظر اور انسانی فکر و احساس کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ انھوں نے کبھی جدیدیت کا دعویٰ نہیں کیا، مگر یہ بھی مجھے صحیح لگتا ہے کہ وہ واحد شاعر تھے جنھوں نے روایتی شاعری سے ہٹ کر ایسا کلام لکھا جس کو جدیدیت کی بنیادی خشت کہا جاسکتا ہے۔

محمد یاسین ھابیل ۔حیدر آباد

شکستہ دل

سامنا کرنے سے کترانے لگے
اب تو وہ مجھ سے ہی شرمانے لگے

ساقیا مئے کا ہوا ایسا اثر
اب اَدا سے اپنی بہکانے لگے

اک ملاقات اُن سے ایسی بھی رہی
دیکھ کر ہم کو وہ گھبرانے لگے

لیکے آنچل کا سہارا آپ کا
رات دن یوں ہم بھی اِترانے لگے

اُن پہ کرکے اپنا یہ دل بھی نثار
ہم بھی اِس دُنیا کو دیوانے لگے

دھیرے دھیرے زخم دل پر وہ مرے
تیر پر تیر اور برسانے لگے

دیکھ کر ساغر ہمارے ہاتھ میں
آپ کیوں ہابیل لڑکھڑانے لگے

مفتی امانت علی قاسمی۔استاد: دارالعلوم وقف دیوبند

تکثیری سماج اور اسلام

تکثیری سماج کا مفہوم یہ ہے کہ ایک ایسا سماج جس میں ہر طرح کے لوگ رہتے ہوں، مختلف مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ زندگی گزارتے ہوں یا مختلف رنگ ونسل وتہذیب کے لوگ آپس میں ایک ساتھ گھل مل کر رہتے ہوں، تکثیری سماج کے لیے مذہبی اختلاف ضروری نہیں ہے؛ بلکہ ایک ہی مذہب کے ماننے والے مختلف نظریات اور مختلف زبان اور تہذیب پر مشتمل معاشرہ بھی تکثیری سماج کہلاتا ہے۔مذہبی بنیادوں پر اگر تقسیم کی جائے تو تکثیری سماج کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک وہ معاشرہ جس میں مسلمان اقلیت میں ہوں اور دوسرے مذہب کے ماننے والے اکثریت میں ہوں۔دوسری صورت یہ کہ مسلمان اکثریت میں ہوں اور دوسری قومیں اقلیت میں ہوں،غور کیا جائے تو ہمیں دونوں کی نظیریں عہد نبوی میں مل جاتی ہیں، جب مسلمان حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گیے تو مسلمان اقلیت میں تھے اور عیسائی اکثریت میں تھے اور مکہ میں مسلمانوں کے لیے جب اپنے مذہب اور عقیدے پر عمل مشکل ہو گیا تو آپ نے حبشہ ہجرت کرنے کی ہدایت کی تھی اور حبشہ کے بادشاہ نے مسلمانوں کا استقبال کیا اور ان کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی دی اس طرح پہلا تکثیری معاشرہ وجود میں آیا جہاں مسلمان اقلیت میں تھے اور عیسائی اکثریت میں تھے اور مسلمان ملکی قوانین کی پاسداری کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل پیرا تھے۔پھر جب آپ ﷺ نے مدینہ ہجرت کی اور مدینہ ایک اسلامی اسٹیٹ کی حیثیت سے وجود میں آیا تو آپ نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ معاہدے کیے جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے، مدینہ ایک ایسا اسٹیٹ بنا جہاں مسلمان اکثریت میں تھے اور یہودی اقلیت میں تھے اس طرح اقلیت اور اکثریت دونوں مثالیں ہمیں عہد نبوی سے مل جاتی ہیں اور یہ بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام تکثیری سماج کا روادار ہے۔

تکثیری سماج کے تعلق سے دو نظریے پائے جاتے ہیں ایک نظریہ جسے پگھلنے کے برتن (melting pot) کا نظریہ کہا جاتا ہے، اس میں سماج کو شربت کے ایک جار سے تشبیہ دی جاتی ہے، شربت کے جار میں مختلف چیزیں پگھل کر ایک بن جاتی ہیں، ہر شئی کا جداگانہ رنگ مزہ ختم ہو جاتا ہے، جس چیز کا غلبہ کا ہو اس کا رنگ اور مزہ غالب ہوتا ہے اور مغلوب چیزیں اپنی حقیقت کھو دیتی ہیں۔دوسرا نظریہ وہ ہے جسے سلاد کے برتن (salad bowl) کا نظریہ کہا جاتا ہے، اس میں سماج کو سلاد کی ایسی پلیٹ سے تشبیہ دی جاتی ہے جس میں مختلف اشیاء شامل ہوں لیکن ہر ایک کا اپنا جداگانہ رنگ مزہ برقرار رہے سلاد کا حصہ بننے کے نتیجہ میں کسی کی بھی شناخت اور اس کا منفرد رنگ بو مزہ ختم نہ ہو۔

اسلام اس دوسری قسم کے نظریہ کو پسند کرتا ہے، قرآن میں ہے: **جعلنا شعوبا و قبائل لتعارفوا** کہ خاندانی نظام رنگ ونسل کا یہ فرق صرف تعارف کے لیے، اسلام رنگ و نسل اور تہذیب کی بنیاد پر کسی قسم کا امتیازی سلوک نہیں کرتا ہے، اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام اس سلسلے

میں توسع کا قائل ہے، زبان اور رنگ کی بنیاد پر اسلام میں کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے، اسلام کے ابتدائی زمانے میں حضرت بلال حبشی اور حضرت سلمان فارسی رنگ و زبان کے اختلاف کے باوجود اسلام میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تکثیری سماج کا پہلا نظریہ کہ ایک اقلیت اکثریت میں ضم ہوجائیں، رنگ و نسل کا تفاوت ختم کردیا جائے، تہذیب کی رنگارنگی کو ایک ایک رنگی میں بدل دیا جائے یہ فطرت کے ساتھ بغاوت کے ساتھ مستحکم معاشرے کا ضامن نہیں ہوسکتا ہے۔

اسلام نے بہت واضح لفظوں میں مذہبی آزادی کو بیان کیا ہے، لا اکراہ فی الدین کہ دین کے سلسلے میں کسی کے ساتھ زبردستی اور دباؤ نہیں ہے ہر کسی کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی ہے لکم دینکم و لی دین اس کا واضح اعلان ہے، اسی طرح زبان اور تہذیب پر بھی اسلام نے کسی شب خون نہیں مارا ہے، مسلمانوں جہاں گیے وہیں کی زبان کو اختیار کرلیا، ایسا نہیں ہوا کہ ہندوستان میں آنے کے بعد یہاں مسلمانوں نے عربی زبان کو رائج کیا ہو بلکہ صدیوں یہاں پر ہندوستان کی قدیم بولی ہی بولی جاتی تھی، تہذیب کے اعتبار سے آج بھی ہر ملک کے مسلمان علحدہ تہذیب رکھتے ہیں، حتی کہ ہندوستان و پاکستان کی تہذیبوں میں بھی فرق پایا جاتا ہے جب کہ یہ دونوں ملک آزادی سے پہلے ایک ہی تھے۔

تکثیری سماج کا بنیادی اصول احترام انسانیت ہے، اس سے ہی معاشرہ استحکام پذیر ہوتا ہے، اسلام احترام انسانیت کے تعلق سے بہت واضح پیغام رکھتا ہے قرآن میں ہے ولقد کرمنا بنی آدم، ہم نے بنی آدم کو محترم بنایا ہے، ایک انسان کے قتل کو اسلام پوری انسانیت کا قتل مانتا ہے، مردہ انسان کے بھی احترام کا حکم دیتا ہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ جنازہ کو دیکھ کر کھڑے ہوگیے آپ کو بتایا گیا کہ یہ تو کسی یہودی کا جنازہ ہے تو آپ نے فرمایا کیا یہ انسان نہیں ہے۔

تکثیری سماج کی دوسری مستحکم بنیاد مذہبی آزادی ہے، اسلام کسی کو بھی اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا ہے، خواہ وہ کسی مسلمان کا بیٹا کیوں نہ ہو، حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ ابن الحصین انصاری کے دولڑکے تھے جو ہجرت سے پہلے عیسائی مذہب اختیار کرکے شام چلے گیے پھر وہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے ان دونوں سے مذہب اسلام میں داخل ہونے پر اصرار کیا ان دونوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کردیا یہ معاملہ حضور ﷺ کے پاس گیا؛ چنانچہ اس موقع پر لا اکراہ فی الدین کی آیت نازل ہوئی جس پر ان کے والد نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔

تکثیری سماج کے مستحکم بنیاد کے لیے تیسرا اصول شہریوں کے ساتھ مساوات اور عدل وانصاف، مذہبی بنیاد پر امتیاز نہ کرنا ہے؛ چنانچہ اسلامی تاریخ میں اس کی بہت واضح مثالیں ملتی ہیں، ہندوستان میں بھی مسلم عہد حکومت میں بڑے بڑے عہدوں پر غیر مسلم فائز تھے، اسلامی حکومتوں میں مذہبی رواداری کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ عقیدے اور مذہب سے قطع نظر صلاحیت کی بنیاد پر عہدے دیے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ عباسی دور میں عیسائی اطبا کو خلفاء کے یہاں اعلی مقام حاصل تھا، دمشق کے طبی مدارس کی نگرانی عرصہ دراز تک عیسائی اطباء کرتے رہے، مذہبی رواداری کا ایک نمونہ یہ بھی تھا کہ دیگر مذاہب کے ماننے والے اپنے تہوار پوری آزادی کے ساتھ مناتے تھے، اموی دور سے ہی عیسائی اپنے عام جلوس سڑکوں پر نکالتے تھے ان کے آگے آگے صلیبیں ہوتی تھیں اور مذہبی پیشوا اپنے مخصوص مذہبی لباس زیب تن کیے ہوتے تھے (من روائع حضارتنا، ص: ۱۴۳)

ڈاکٹر آصف لئیق ندوی۔ گیسٹ لیکچرار و مدیر رابطہ خیر امت، انڈیا

الحادی طوفان اور انسانی رجحان: اسباب وحل

یہ دور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بڑے گہرے فتنوں اور سازشوں کا دور ہے! ہر کس و ناکس کیلئے تمام فتنوں کا سمجھ پانا بہت مشکل ہے! اگرچہ ہمارا سامنا متعدد آزمائشوں اور پریشانیوں سے بھی ہے، پھر بھی ہمارے خلاف ملک ہندوستان میں متعدد حربے اختیار کیے جارہے ہیں، ہمارا رہنا سہنا، کھانا پینا اور آزادی کیساتھ اپنے دین و مذہب پر عمل کرنا دشوار بنایا جارہا ہے، مختلف مصیبتوں اور سازشوں سے ہم مسلمان گھرے ہوئے ہیں، جو گزشتہ دور سے بھی زیادہ سنگین اور خطرناک ہیں، سازش ایسی نہیں ہے کہ جسکا ادراک اور مقابلہ بہت آسان ہو! جسے صرف علماء کرام اور دانشوران ملت مل جل کر حل کرلیں اور ہم اپنے کاموں میں جوں کا توں مگن رہیں!؟ ماضی میں علماء و دانشوران نے بہتیرے فتنوں کا بنفس نفیس مقابلہ کیا اور الحمدللہ اپنی بے پناہ کد و کاوش سے کامیابی بھی حاصل کی! مگر آج کا دور اور نئے فتنے پہلے سے بہت مختلف ہیں! جس کا مقابلہ تن تنہا علماء اور دانشوران کا بغیر اپنی عوام وخواص کی مدد کے دشوار اور مشکل طلب ہے! یہ ایسا زمانہ ہے، جس میں عوام کو انکے علماء سے بدظن اور دور کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں! دین وشریعت اور مدارس و مساجد سے بھی ہمیں دور کیا جارہا ہے! مسئلہ صرف معاشی پریشانیوں اور بعض حق تلفیوں کا نہیں ہے کہ ہم کسی طرح برداشت کرلیں! مسئلہ تو سر سے بھی اونچا ہوگیا ہے بلکہ ہمارے باہمی اتحاد واتفاق اور اخوت و مودت کو پارہ پارہ کیا جارہا ہے، ہماری شریعت کو بھی بقا وتحفظ کا مسئلہ درپیش ہوگیا ہے حتی کہ مستقبل میں ہماری نسلوں کا اسلامی اخلاق واوصاف کیساتھ باقی رہ پانا دشوار کن موڑ پر پہونچ گیا ہے، جبکہ یہی اوصاف واخلاق ہماری زندگی کی متاع عزیز ہیں، ہماری اصل روح اور اسکی حرکت ہیں، ان مسائل کو دیکھتے ہوئے ہمارے مسلم معاشرہ کا خاموش بیٹھے رہنا اور اسکے لیے کوئی لائحہ عمل طے نہ کرنا مسلمانوں کی بڑی نادانی ہوگی اور علماء و دانشوران ملت سے کٹ کر اور الگ ہوکر زندگی گزارنا ہماری بہت بڑی غلطی ہوگی! جن کے نتائج بڑے بھیانک بھی ثابت ہوسکتے ہیں! ہمیں ہر طرح کے فتنوں کا ادراک اور اس کے سد باب کا طریقہ بغیر علماء و دانشوران کی گائڈ اور رہنمائی کے حاصل نہیں ہوسکتا! فتنہ خواہ کتنا ہی گہرا اور سنگین کیوں نہ ہو!؟ اسکی تیاری میں عوام وخواص کا رول، علماء وصلحاء کا کردار، حصول علم ومعرفت میں ہماری قابل قدر توجہ اور دلچسپی اور اسلامی تدابیر وحکم کا اختیار کرنا نہایت ناگزیر اور ضروری ہے، بغیر خاطر خواہ اسلامی وعصری تعلیم وتربیت کے ہمارا سفر ملک ہندوستان میں تاریک مستقبل کی مانند ہوگا اور ہماری قوم اور مسلم افراد کو ملحدانہ اور مشرکانہ سازشوں کے نرغے میں پھنسنے سے کوئی شئی روک نہیں سکتی!؟ لاقدر اللہ لذلک۔

سی اے اے، این پی آر + اور این آر سی کا آخر کیا مقصد ہے؟ اسے ملک میں اتنے بڑے مظاہرے اور احتجاج

کے بعد نافذ کرنے کی سرکاری پلاننگ کیوں ہورہی ہے؟ اسکے خلاف ہمیں منجملہ متحد و متفق ہونے کی ضرورت ہے؟ ان قوانین کی لاجک کو سمجھنا ہم سبھوں کیلئے نہایت ضروری ہے! اسی طرح ہمیں الحادی نظریات کا بھی ہمیں بڑی گہرائی سے تجزیاتی اور تحلیلی مطالعہ کرنے کی شدید ضرورت ہے ملحدین کی تمام سازشوں، انکی شاطرانہ پالیسیوں اور ناپاک پلاننگ سے واقف رہنا اور نہ صرف ان پر گہری نگاہ ڈالنا بلکہ ان سے اپنی نسلوں اور نوجوانوں کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر و فکر کرنا اور انکے سد باب کے لیے سب کو تیار کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے، جسمیں کسی طرح کی تاخیر، کوتاہی اور غفلت ہمارے لیے بڑا نقصاندہ ثابت ہوسکتی ہے۔ مسلمانوں کو ہندو بنانے اور مسلم لڑکیوں سے غیر مذہب کے لڑکوں کو شادی بیاہ رچانے کی کھلی چھوٹ فراہم کرنا اسی الحادی فکر کی غماز ہے۔ اس تحریر سے ہم مغربی، مشرقی اور اسلامی فکر کا موازنہ اور اسکا حل پیش کرنا چاہتے ہیں۔

الحاد اور مذہبی بیزاری کا رجحان مسلم نوجوانوں تک تعلیم و تربیت، تہذیب و تمدن اور صحافت و نشریات کی راہ سے پہنچانے کیساتھ ساتھ اب معاشی، اقتصادی اور رہائشی مجبوریوں کیوجہ سے پھیلایا جارہا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہی تعلیم و تہذیب ہمارا اصلی معیار ہے اور یہی ناقابل شکست حقائق بھی، نیز بسا اوقات جذبات انسانی کے بہت موافق بھی ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں معاشرے میں ایسی تبدیلی جائز و روا سمجھی جاتی ہے، جس سے معاشرہ ان تمام قوانین سے آزاد ہوجاتا ہے، جن پر اس کی اور افراد و اشخاص کی فلاح و بہبود موقوف ہوتی ہے، الحاد و مذہبی بے ثباتی کا یہ رجحان مسلم نوجوانوں میں افسانہ، ناول، ڈرامہ، سوشل اور سائبر میڈیا، فلم اور گانے کی راہ سے بھی عام ہورہا ہے اور دین و ملت اور تہذیب و تمدن کا سابق مفہوم بھی بدلتا جارہا ہے۔

الحادی نظریات مسلمانوں کو مرغوبات و خواہشات کی چھوٹ دے کر ان کے دل و دماغ، ذہن و فکر، عواطف و جذبات پر بری طرح چھا گئے ہیں، لیکن اسلام نے جو نظام و اصول پیش کیے ہیں، ان سے جذبات و خواہشات، عقل و روح اور مادیت و معنویت میں توازن و اعتدال قائم رہتا ہے۔ مغرب کی الحادی فکر نے ہم مسلمانوں کے ساتھ ساتھ پوری دنیا پر یلغار کی، نئے نئے رنگ و روپ اور مختلف طریقوں سے ہمارے درمیان ترویج حاصل کی اور پورے عالم اسلام بالخصوص نوجوانوں اور شاہینوں کے سینوں کو انکے خالق کے خلاف پراگندہ اور آلودہ کیا، دین اسلام کے مخالف ان کے ذہنوں کو کینہ سے بھر دیا، نبوی طریقوں کی اتباع و پیروی کے بجائے انہیں شکوک و شبہات میں مبتلا کردیا، انہیں انکی نرم و ملائم فطرت و شریعت اور منشأ نبوی سے بیگانہ کردیا۔ مگر ملک ہندوستان کے غیور مسلمانوں کی انتھک محنتوں سے یہاں کے مسلمان بہت حد تک محفوظ و سالم رہے! جو بات دشمنان اسلام اور شر پسند عناصر کو یکسر راس نہیں آئی اور مغرب کے نقش قدم کی پیروی کرتے ہوئے ملک ہندوستان میں بھی نئے نئے حربوں کی پلاننگ شروع ہوگئی۔ حتی کہ نئی تعلیمی پالیسی کو بھی اسی نہج پر ڈھالنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، اردو اور عربی زبان سے آنکھ مچولی کھیلی گئی اور الحادی اور منووادی تہذیب کی بہترین نمائندگی شامل کی گئی۔

کیونکہ اس الحادی سیلاب کی ابتدا دراصل ناولوں اور افسانوں سے ہوتی ہے، کیونکہ اس نظریے کے علمبرداروں کے نزدیک عقل و ذہن کو مسموم کرنے کا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے، چنانچہ انہوں نے لوگوں کے دلوں میں یہ بات بٹھانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ تھوڑی دیر فلمی نغمے سننے اور ڈرامے دیکھنے میں وقت گزارنے سے دلوں کے بوجھ اتر جاتے ہیں اور حزن وغم کے بادل چھٹ جاتے ہیں، لیکن ان کا یہ نظریہ فطرتاً اور قطعاً غلط اور بیہودہ ہے، کیونکہ نشہ آور دواؤں سے علاج کرنا صحیح اسلامی طریقہ نہیں ہے، نیز اسلام اپنے پیروکاروں کو صرف اس کی دعوت دیتا ہے کہ وہ مشکلات وحوادث کا ایمان ویقین کے ساتھ مقابلہ کرے، اللہ کی رحمت کا طالب رہے اور نفس کو بیجا خواہشات اور کینہ وحسد سے پاک رکھے۔ انسانیت کی خیر خواہی کے عناصر کو غالب رکھے۔

مگر افسوس! اسوقت ہمارے مسلم نوجوانوں کے ذہنوں میں جو سب سے زیادہ خطرناک بات بٹھائی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ فلسفیانہ اور ہندوانہ مذاہب (علم انفرادی و اجتماعی) کے دیئے نظریات ہی علمی حقائق ہیں، حالانکہ یہ ایک کھلا ہوا مغالطہ ہے! کیونکہ تجرباتی علوم اور انسانی علوم میں وہی فرق ہے، جو فرق سائنس (جس کے حقائق کا ظہور کارخانوں اور کارگاہوں میں ہوتا ہے) اور اس فلسفہ میں ہے، جو انسانی ذہن و عقل کی پیداوار ہے، یہیں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ یہ اجتماعی مذاہب دراصل وہ چند مفروض یا چند ناکام کوششیں ہیں، جن کا تعلق خاص قوم اور خاص زمانوں سے محدود ہے۔۔۔ ان میں سب سے قابل احتیاط پہلو جس کی طرف ہمیں توجہ دینی چاہیے، وہ یہ ہے کہ ان کی بنیاد خالص اس مادی مفہوم پر ہے جو بالآخر نظر کو معنویات و روحانیات، روح و مادہ، نفس وجسم اور دنیا و آخرت کے ان باہمی تعلقات کیطرف موڑ دیتا ہے جو اسلام کے قائم کردہ ہیں۔

مارکسزم کی بنیاد علمی مفروضوں پر رکھی گئی، لیکن جب ان میں تغیر آیا تو انہوں نے یونانی مذاہب کی بیخ کنی کرکے رکھ دی، زندگی اور معاشرے کی تبدیلیاں برابر ان نظریات کو نقصان پہنچاتی رہیں، یہاں تک کہ ارباب حل و عقد اسی نتیجے پر پہنچے بغیر ان میں ترمیم و تنسیخ کرنے پر مجبور ہوئے۔۔۔ اور یہ تغیرات بھی ناگزیر ہی تھے، کیونکہ یہ نظریات انسانی محدود عقل و ذہن کی پیداوار اور اوپج ہیں، جیسا کہ ہندوازم کا معاملہ ہے۔ اس کے بالمقابل اسلام ایک ایسا مکمل لائحہ عمل اور نظامِ حیات پیش کرتا ہے جو نہ صرف زمان ومکان کی شکست وریخت سے محفوظ ہے، بلکہ دنیا و آخرت نیز ہر زمان ومکان کے لئے مفید اور صالح بھی ہے، کیونکہ یہ اس ذات باری تعالی کا بنایا ہوا نظام ہے، جس کی معلومات بے پایاں اور زمان ومکان کی قید سے مطلق آزاد ہیں اور اسکا دین فطرت انسانی سے بالکل ہم آہنگ ہے۔

ہر جگہ مسلمان اپنے کیئے کی سزا اُس وقت تک بھگتتے رہیں گے، خواہ وہ ملک ہندوستان میں ہی کیوں نہ ہو، جب تک اللہ کے بنائے ہوئے نظام کو تلاش کرکے انسانیت کے سامنے وہ مثالی تصویر نہ پیش کردیں، جس کی طرف دنیا بشمول برادران وطن۔۔ فلسفیانہ، ملحدانہ اور مشرکانہ مذاہب کی تخریب کاری اور نفرت و عداوت کی سیاسی داؤ پیچ کے بعد پُر امید نظروں سے دیکھ رہی

ہے۔ مسلمانوں نے اپنے خدا کے حکم کی تعمیل میں جب کبھی بھی الٰہی نظام قائم کیا تو انسانیت کے سامنے وہ عملی تشکیل کی کہ آج مغرب بھی ہلاکت خیز تاریکیوں کے بعد اس کی تلاش وجستجو سے گریز اختیار نہیں کرسکتا اور ان شاء اللہ کل ملک ہندوستان میں بھی اسلام اور مسلمانوں سے لاکھ نفرت وعداوت اور بھید بھاؤ کی سیاست کے بعد اسلامی انقلاب اور اسکی تلاش وجستجو سے گریز اختیار نہیں کرسکتا۔

آج جبکہ مسلمان راہِ حق سے فرار ہو کر مغربی افکار یا دیگر مشرکانہ خیالات کے شکار ہو رہے ہیں، جب یہ مغربی افکار اور منووادی نظریات بھی فرسودہ یا فاسد و بیکار ہو جاتے ہیں تو پھر الحاد کی پناہ میں دم لیتے ہیں، حالانکہ خود یہ افکار و نظریات ایسے عجیب وغریب ہیں، جن کی اساس مادی فکر اور یونانی اور ہندوستانی مشرکانہ عقیدے پر ہو۔ انہیں مغربی اور غیر اسلامی جارحانہ مفہوم کی پیہم رکاوٹوں نے مسلمانوں کو قومیت وجنسیت کی چار دیواری میں ایسا محصور کر دیا ہے کہ اب اس سے ان کا نکلنا بھی دشوار ہے۔ اس کے برعکس اسلام انہیں انسانی و دینی بھائی چارے، یکجہتی و یگانگت اور اتحاد واتفاق کی تعلیم دیتا ہے نیز وحدت واخوت، عدل و انصاف اور رحم وکرم کے باہمی جذبات پر مختلف قوموں کو متحد ہونے اور باہمی تعارف کی ترغیب دیتا ہے۔ تعلیم وتربیت کا مسئلہ ہمیشہ ان تمام مسائل میں اہم رہا ہے، جن کو نئی نسلوں کی تعمیر وترقی کے پیش نظر صحیح اسلامی نہج پر لانے کی سخت کوشش درکار ہے، تاکہ آنے والے الحاد کی آندھیاں انہیں متزلزل نہ کرسکیں اور نہ الحاد و مادیت اور انتہا پسندی کا وہ زہر جسے مغرب اور دیگر مذاہب آزادی، ترقی اور جدیدیت کے نام سے پھیلا رہا ہے، انہیں کچھ نقصان پہنچا سکیں۔ مسلمانوں نے جب بھی خدائی نظام کو قبول کرنے میں پس وپیش سے کام لیا ہے تو وہ اپنے اس رول کو ادا نہ کرسکے، جس کی طرف انسانیت امید بھری نظروں سے اس لئے دیکھ رہی ہے کہ اسے اپنے اور اپنی سوسائٹی میں جاری وساری کرے، نتیجتاً وہ اس سلسلے میں بڑے گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

اسلام دین پسند عقل وروح کو یہ موقع فراہم کرتا ہے کہ وہ اس بحران جسے لوگ فقدانِ عقیدہ کے بحران سے بھی تعبیر کرتے ہیں کا خاتمہ کردے، یہ بحران حقیقتاً ان مختلف اور متصادم سیلابوں کا نتیجہ ہے، جن کا رخ مسلمانوں کی طرف کر دئے گئے ہیں کہ وہ طریقۂ حق کو نہ جان سکیں!!۔ یہ بحران اس بیرونی سیلاب کی سازش ہے، جو ذہنی وفکری انتشار پیدا کرتا ہے اور مختلف مذاہب کے گرد جمع ہونے والی قوموں کو منتشر کر دیتا ہے۔۔۔ ایک جنسی خواہشات کے پیچھے دوڑتا ہے۔۔تو دوسرا لقمہ تر کے پیچھے۔۔ ایک کا مقصد یہ ہے کہ انسانوں کی تعداد گھٹ جائے، تو دوسرا لوگوں کو مغربی قومیت اور ہندوازم کی دعوت دیتا ہے اور مسلمان اپنے آپ کو فکری میدان کے ذریعہ ایسے بند دائرے اور گھروں میں محسوس کرتے ہیں، جن کی چہار دیواریاں ان کے خوابوں کی تکمیل کی راہ میں حائل ہیں، مغربی فکر اور ہندوانہ تہذیب کا اثر ہے، نیز چالاکی و ہوشیاری، گروپ بندی اور سائنس و ادب، قانون، تعلیم و تربیت، معاشرت وسیاست میں سے کسی ایک کے اندر محصور ہو جانے کی علامت ہے، ان میں سے ہر ایک کے لیے ایسے قوانین اور مستقل نظم ہیں، جن میں دوسری قدروں کا کوئی احترام نہیں۔۔۔ منووادی فکروں میں کسی دوسرے مذاہب کا کوئی احترام نہیں ہے۔ جبکہ اسلامی افکار انسانی اقدار اور فطرتی قوانین پر مبنی ہیں۔

ڈاکٹر ولاء جمال العسیلی۔اردو کی ایسوسی ایٹ پروفیسر عین شمس یونیورسٹی مصر

مصر میں ماہِ رمضان اور کورونا وائرس

ہر سال دنیا بھر مسلمانان نے صبری سے رمضان کے مقدس مہینہ کی آمد کا انتظار کرتے ہیں۔اور کیوں نہ کرے کیونکہ یہ برکتوں کا مہینہ ہے۔ یوں تو دنیا بھر میں رمضان لوگ اپنے اپنے طور پر مناتے ہیں تاہم مصر میں رمضان کافی الگ طرح سے گزارا جاتا ہے۔اس ماہ مقدس میں مسلمانوں کی خاص عبادات جیسے تراویح پڑھنا اور اعتکاف میں بیٹھنے کے علاوہ مختلف ممالک میں کچھ روایات اور عادات بھی پائی جاتی ہیں۔مصر میں بھی لوگ کچھ منفرد طریقے سے رمضان مناتے ہیں۔ایک ساتھ مل کر افطار کرنا رمضان کا ایک اہم حصہ ہے۔افطاری پارٹی تقریباً ہر جگہ انتظام ہوتا ہے۔زیادہ تر لوگ اپنے دوستوں اور خاندانوں کے ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں اور افطار کی اجتماعی تقریب منعقد کرتے ہیں۔

اس ماہ کی روایات میں سے ایک روایت یہ ہے کہ لوگ سڑکوں پر مغرب کی آذان کے وقت کھجوریں اور جوس بانٹتے ہیں۔نیز اس مہینے کی ابتدا سے آخر تک مساجد کے اندر یا ان سے ملحقہ احاطوں میں رحمت کے دستر خوان کے نام سے خیمہ لگاتے ہیں اور اس میں لوگوں کو مفت افطاری میں شامل ہونے کی دعوت دی جاتی ہے۔جن میں خاص طور پر غریب اور مسکین لوگ شامل ہیں۔اس کے علاوہ کئی فلاحی تنظیمیں اور روزہ افطار کرانے والے مخیّر حضرات غریبوں کے لئے کھانا اور افطار فراہم کرتے ہیں۔

افطاری سے پہلے ہمسایوں سے کھانا شیئر کرنا بھی ایک روایت ہے۔ہمسایوں کے باورچی خانوں کے مابین کھانا کی مختلف قسموں اور گھر میں بنی ہوئی میٹھائی کا تبادلہ کیا جاتا ہے۔مصری لوگ اس روایت کو(رمضان کا کرم) کہتے ہیں۔

مختلف علاقوں میں افطاری کے فورا بعد بچے فانوس اٹھائے ہوئے سڑکوں پر نیچے آتے ہیں۔اور ایک عوامی گانا گاتے ہیں:(حالو یا حالو رمضان کریم یا حالو)اس گانے کا مطلب:ارے یار خوش رہے۔رمضان کریم۔بچے اس گانے خوب شوق سے گاتے ہیں تاکہ گلیوں اور راستوں سے گزرتے وقت لوگ ان کو اس ماہ کی خاص میٹھائی دے دیں جسے کنافہ،قطایف وغیرہ کہتے ہیں۔اور جب بچے سڑک پر فانوس سے کھیلتے ہوتے ہیں تو گھر کے دیگر افراد اپنے خاندان والوں کے ساتھ گپ شپ میں وقت گزارتے ہیں تاہم وہیں کچھ عورتیں ٹی وی چینلز پر رمضان کے ڈرامے دیکھتی ہیں۔ بہت سارے مرد اپنے ساتھیوں سے ملنے کی غرض سے کافی شاپ جا کر گفتگو کرتے ہیں اور اپنا وقت گزارتے ہیں۔مصر میں رمضان کے مہینے میں رات بھر لوگ کافی ہاؤس اور ریسٹورانٹ جاتے ہیں جہاں سحری بھی پیش کی جاتی ہے۔

مصر میں رمضان کی سب سے اہم نمائش اور ظاہری صورت یہ ہے کہ لائٹس کا عکس اور چمکتے ہوئے فانوس بالکنی اور سڑک پر لٹکایا جاتا ہے۔اور رنگ برنگے کاغذی آرائشی گھروں کے مابین بندھے ہوتے ہیں جس سے رمضان کی رونق کا اندازہ ہوتا ہے۔

خلیفہ عمر بن الخطاب نے سب سے پہلے ماہ رمضان کی آمد کو منانے کا خیال شروع کیا تھا، جب انہوں نے رمضان کے پہلے دن سے ہی مساجد کو سجایا اور روشن کیا تھا تا کہ مسلمان تراویح کی نماز ادا کرسکیں اور اپنی مذہبی رسومات کو زندہ کرسکیں۔ بعض مورخین نے یہ بھی بتایا ہے کہ رمضان کی سجاوٹ تلکونیڈ ریاست کے قیام کے ساتھ مل کر چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں روزے کے مہینے کو منانے کی ایک شکل کے طور پر نمودار ہوئی، جہاں تقریبات کے بہت سے پہلو نمودار ہوئے، جیسے کہ سڑکوں کو سجانا اور چوکوں کو روشن کرنا، جس کا انحصار عیدوں اور رمضان کے مہینے میں ہوتا تھا۔

مصر میں بازاریں اس ماہ کے استقبال کا سب سے اہم حصہ ہے۔ مصری لوگ اس ماہ کو منانے کے لئے کھانے پینے کی اشیاء کی مختلف اقسام خریدتے ہیں۔ خاص طور پر خشک میوہ جات جسے (یامیش رمضان) کہا جاتا ہے۔ مصر کی دارالحکومت قاہرہ کے سڑکوں پر ہاکر میزیں بچھا کر خشک میوہ جات بیچتے ہوتے ہیں جو روزہ دار افطاری میں کھاتے ہیں۔ ان میوہ جات میں مشہور ترین اور پسندیدہ خشک کھجوریں اور خشک خوبانی کو کافی پسند کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان بازاروں میں فانوس کی مختلف اقسام دکھائی دیتے ہیں جس سے بازار کی رونق کافی بڑھ جاتی ہے۔

ایک سال پہلے ماہ رمضان غیر معمولی حالات میں آیا ہے۔ ایسے حالات، جہاں ایک جان لیوا وبا کورونا وائرس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ اس وبا نے تیزی سے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور تباہی مچا رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے رمضان کا مہینہ ہر سال کی طرح جیسا نہیں ہے۔ کورونا وائرس کی وجہ سے ماہ رمضان المبارک میں پہلی بار بہت ہی تبدیلیاں آ گئیں ہیں۔ رمضان سے منسلک مذہبی، سماجی اور اقتصادی رسومات پر اثرات بہت زیادہ ہوئے۔ سبھی لوگ محتاط تھے اور رمضان تنہا گزارنے پر مجبور تھے۔ مصر میں بھی رمضان ہر سال کی طرح محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ رمضان اس مقدس مہینے کی راتوں میں بڑی پر سکون تھا۔ خاموشی کا عالم تھا اور سناٹے کی وجہ سے عجیب سا ماحول بنا ہوا تھا۔ تاہم مسجدوں سے آنے والی آذان نے دل کو پر رونق رکھا ہوا تھا۔

گذشتہ سال کے دوران، جب مصر کورونا وائرس کی پہلی لہر میں مبتلا تھا، بندش کے اقدامات مصریوں کو مقدس مہینے سے خوشی کا اظہار کرنے سے روک سکے۔ دیگر ممالک کی طرح مصر میں بھی کورونا وائرس کے کیسیز میں اضافہ ہو رہا تھا۔ جس سے اس مہلک وبا کی وجہ سے رمضان سے جڑی تمام رسومات متاثر ہوئے تھے۔ رمضان کی تمام سرگرمیاں معطل کردی گئی تھیں۔ حکومت نے کورونا وائرس کو پھیلنے سے روکنے کے لئے احتیاطی تدابیر اختیار کرتے ہوئے لاک ڈاؤن نافذ کر رکھا تھا۔ مساجد میں باجماعت نماز ادا کرنے پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ صرف لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے پنج وقت نمازوں کی اذان دینے کی اجازت تھی۔ اور لوگ بحالت مجبوری اپنے گھروں میں ہی تمام عبادت کر رہے تھے۔ کورونا وائرس کی پابندی سے اس مہینے میں عمرہ ادا کرنا بھی متاثر ہوا تھا جس کا ادا کرنا ماہ رمضان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک حج کے برابر ہوتا ہے۔

پچھلے رمضان کے دوران احتیاطی تدابیر عمل کرتے ہوئے رشتہ داروں کی زیارت تقریبا موقوف تھی۔ کورونا کی وبا نے لوگوں کو سماجی فاصلے اور دوری اختیار

کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔لوگ اپنے پیاروں سے نہیں مل پا رہے تھے۔سحری اور افطاری میں اہل خانہ اور دوستوں کے ساتھ کھانا کا انعقاد ملتوی کر دیا گیا تھا۔صرف کنبے کے افراد کے درمیان گھروں پر سمٹ کر رہ گیا تھا۔ بیچارے بچے بھی ایک لازمی لاک ڈاؤن میں گرفتار تھے۔سڑکیں ویران تھیں جو کبھی لوگوں کی بھیڑ سے شکایت کرتی تھیں۔لوگوں سے خالی تھیں۔جس کی وجہ سے بالکل رونق نہیں تھی۔اس طرح رحمت کے دستر خوان پر پابندی عائد کی گئی تھی اور فلاحی تنظیمیں بھی دستر خوان نہیں لگائیں تا کہ لوگ ایک ساتھ زیادہ جمع نہ ہوں۔جس کے نتیجے میں بہت سارے غریب لوگ متاثر ہوئے تھے۔اس وقت بھی کورونا وائرس سے بچنے کے لئے لوگ بازار آنے سے گریز کر رہے تھے۔ بازاروں میں ہجوم نہیں جیسے کہ ہر سال ہوتا تھا۔

اس سال بھی کورونا وبائی عہد کا دوسرا رمضان ہمارے اوپر سایہ فگن ہے۔گذشتہ ایک سال کے دوران اس خوفناک وائرس نے ہمیں ماہ رمضان کی عبادتوں سے محروم کر دیا تھا۔تاہم اس سال بھی اب مصری سڑکوں پر کسی حد تک خوشی کے رنگ اور اس کے آثار دکھ رہے ہیں۔مصری گلیوں میں آرائش کی بھرمار ہے اور مصری لوگ اس بابرکت مہینے کی رسومات پر عمل کرنے میں مصروف ہیں۔کورونا نے پچھلے سال کے دوران مسلمانوں کو نماز پڑھنے سے محروم کر دیا تھا۔لہذا اس سال الحمدللہ رمضان المبارک کے دوران تراویح کی نماز مصر کی مساجد اور مکہ المکرّمہ کی مسجد الحرام میں بھی واپس آگئی۔

مصری حکومت نے کورونا وائرس سے نمٹنے اور رمضان کے مہینے میں ابھرتے ہوئے وائرس کے بحران کے ساتھ رہنے کے لئے متعدد خصوصی احتیاطی فیصلے جاری کیے ہیں، جن پر ماہ رمضان کے دوران عمل کیا جا رہا ہے۔اس بات پر زور دیا کہ لوگوں کو ان بعض رسومات سے گریز کرنا چاہیئے جو مصری مقدس مہینے کے دوران کرتے ہیں۔تا کہ ان سے کورونا وائرس سے متاثر افراد کی تعداد میں اضافہ نہ ہو۔

مساجد اور نماز کے حوالے سے، ماہ رمضان کے مہینہ میں کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو محدود کرنے کے لئے مصری حکومت نے کچھ فیصلے کیے ہیں۔ان میں مساجد میں نماز کی کاردگی کی اجازت دینا، بشرطیکہ احتیاطی تدابیر پر عمل درآمد کیا جائے، نماز تراویح کو محدود کرنے کا عہد کیا جائے تا کہ وہ آدھے گھنٹے سے زیادہ نہ ہوں، اعتکاف اور تہجد کی نماز کو نہ ادا کیا جائے، ہر مسجد کے باہر ایسی اطلاعات ہوتے ہیں جن پر عمل کرنا لازمی ہے۔جیسے ہر فرد انفیکشن کی منتقلی کو کم کرنے کے لئے، خود ہی جائے نماز کو اپنے ساتھ مسجد لے آئے، ماسک لگاتار پہنے اور ہر شخص اپنے جوتے ایک پلاسٹک بیگ میں رکھے۔

نماز پڑھتے وقت مسجد کے اندر قدرتی ہوا بازی کی موجودگی کے لئے کھڑکیاں کھولنا۔نماز پڑھنے والوں کے مابین جسمانی فاصلے پر قائم رہنا۔ساتھ ہی ساتھ ہر ایک نماز کے درمیان مساجد کو جراثیم کشوں سے پاک کرنا، اور مساجد میں واٹر کولر بند کر دینا لازمی ہے۔حکومت نے بزرگ افراد اور دائمی بیماریوں میں مبتلا افراد کو گھر میں نماز ادا کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

جہاں تک سماجی اجتماعات اور افطاری کی بات ہے تو حکومت نے شہریوں سے کہا کہ وہ بھیڑ بھاڑ اور بھیڑ والے مقامات سے گریز کریں۔اور افطار ہر گھر کی استعداد

کے مطابق چھوٹے گھرانوں تک ہی محدود رہیں، اور برتن تیار کرنے اور پیش کرنے کی صفائی پر دھیاں دیں۔ حکومت کے فیصلوں میں رمضان کی میزیں کے انعقاد اور کھلی اور بند جگہوں پر رمضان سیشن کے انعقاد کی اجازت نہ ہونے کے علاوہ بند مقامات پر کسی بڑے اجتماعات کا انعقاد یا گھروں میں تقریبات کا انعقاد کی ممانعت بھی شامل ہے۔

حکومت مسلسل نگرانی کے ساتھ شہریوں کی صحت کے تحفظ کے لئے ان احتیاطی تدابیر پر پوری پابندی عائد کر رہی ہے، خاص طور پر اجتماع کی جگہوں پر، اجتماعی ٹرانزٹ ذرائع پر، اس معاملے میں خلاف ورزی کرنے والوں پر جرمانہ عائد کیا جارہا ہے۔

ان تمام دشواریوں کے باوجود ہم اللہ کی عبادت اور نعمت سے محروم نہیں ہیں۔ ہمیں بھی عام زندگی کی برکت کا احساس ہوا جس کے بارے میں ہم شکایت کر رہے تھے، اور وبائی مرض نے ہمیں یہ ثابت کر دیا کہ یہ ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم پر قائم رہے۔

پرواز احمد۔ مصطفیٰ پور، چندولی اتر پردیش

تم غریب ہو

تم ہندو ہو بھی اور نہیں بھی
تم مسلم ہو بھی اور نہیں بھی
تم الیکشن میں ہی مکمل طور پر
ہندو یا مسلم ہوتے ہو
کیوں کہ ... تم غریب ہو
تم کسان ہو اور مزدور بھی
محنت کی علامت ہو تم ہی
صاحب کی کرسی کے آگے
بڑے سہمے سہمے سے رہتے ہو تم
لگتا ہے ... تم غریب ہو
سر جھکائے کھانا ہی نہیں،
گالی بھی کھا لیتے ہو
تم آج کے بدلے کل کی آس پہ جیتے ہو
تم اتنے فکر مند کیوں رہتے ہو،
رہنے دو مت بتاؤ
مجھے پتا ہے ... تم غریب ہو
یہ گرمی نہ جانے تمہیں ہی کیوں جلاتی ہے
یہ برسات بھی نہ جانے
تمہیں ہی راتوں کو کیوں بیٹھاتی ہے
تمہارے ہی ہلکے لباس کے آگے یہ سخت سردی
کیوں اکڑ دکھاتی ہے؟ کیوں کہ تم بے بس ہو
اسلئے کہ ... تم غریب ہو
تمہارے گھر کے آگے پولیس گالی دیتی ہے
پھر بھی تم صاحب صاحب کہتے ہو
تمہاری دیواروں کی لڑائی بھی
قانون کے پنوں کو پڑھ آتی ہے
تم نیتا یا قاتل تھوڑی ہو
بس اتنا جانو ... تم غریب ہو
تم فخر کرنے والی ڈانسر نہیں
تم بے شرم نچنیا ہو
تم کھڑے کالر والے ہیرو نہیں
تم کھڑے کالر والے آوارہ ہو
فقط ... تم غریب ہو
تمہارا لڑنا بھی جاہلانہ ہے
کسی کا قتل کرنا بھی شانداری ہے
تمہارا حق مانگنا بھی فقیرانہ ہے
کسی کا تمہارا حق مارنا بھی عزت داری ہے
ذات پات کی مار بھی تمہیں ہی جھیلنی ہے
بس ... تم غریب ہو
تم ظلم کے آگے نہیں
رشتے اور محبت کے آگے جھکو
تم پرواز کرو آسمانوں میں
گوتے لگاؤ بحروں میں
کیونکہ یہ کسی رئیس کی ملکیت نہیں
ڈرو نہیں کہ ... تم غریب ہو۔

احمد نور عینی۔ پی ایچ ڈی اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد

اقبال فہمی

کیا ہے تو نے متاع غرور کا سودا
فریب سود و زیاں، لا الہ الا اللہ

مفردات: متاع غرور: دھوکے کا سامان، سودا: خرید وفروخت، فریب: دھوکہ، سود: نفع، فائدہ، زیاں: نقصان، خسارہ، گھاٹا۔

شرح:

متاع غرور کا لفظی معنی ہے دھوکے کا سامان، یہاں اس سے مراد دنیا ہے، اقبال نے یہ لفظ قرآن سے لیا ہے، قرآن میں دنیا کو دو جگہ متاع الغرور کہا گیا ہے، ایک سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۵ میں اور دوسرے سورہ حدید کی آیت ۲۰ میں، سورہ آل عمران میں اللہ تعالے فرماتے ہیں:

(ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تم لوگوں کو قیامت کے دن تمہارا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، تو (اس دن) جو دوزخ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا اس کا تو کام بن گیا اور (رہ گئی) دنیا کی زندگی تو (یہ)محض دھوکہ کا سامان ہے)

سورہ حدید میں ہے:

(تم خوب جان لو کہ (آخرت کے مقابلے میں) دنیوی حیات محض لہو ولعب اور (ایک ظاہری) زینت اور باہم ایک دوسرے پر فخر کرنا اور اموال اور اولاد میں ایک دوسرے سے زیادہ بتلانا ہے، جیسے بارش کہ اس کی پیداوار کاشتکاروں کو اچھی معلوم ہوتی ہے پھر وہ خشک ہوجاتی ہے، سو اس کو تو زرد دیکھتا ہے پھر وہ چورا چورا ہوجاتی ہے، اور آخرت (کی کیفیت یہ ہے کہ اس) میں عذاب شدید ہے اور خدا کی طرف سے مغفرت اور رضامندی ہے اور دنیوی زندگانی محض دھوکے کا سامان ہے)

ان دونوں آیتوں میں دنیا کو جس پس منظر اور جس مفہوم میں متاع غرور کہا گیا ہے اقبال نے بھی اسی پس منظر اور اسی مفہوم میں دنیا کو متاع غرور کہا ہے، دنیا متاع غرور اس لیے ہے کہ یہاں کسی کو ہمیشہ رہنا نہیں ہے، یہاں کی زندگی میں کوئی پائیداری نہیں، جیسے ہری بھری کھیتی ایک دن خشک اور زرد ہوکر چورا چورا ہوجاتی ہے اسی طرح دنیا کی ناز ونعم والی زندگی بھی ایک دن فنا سے دوچار ہوجاتی ہے، جیسے کھیتی کو سوکھنے سے بچانا کسی کسان کے اختیار میں نہیں اسی طرح زندگی کو فنا ہونے سے بچانا کسی انسان کے اختیار میں نہیں، ہر انسان کو اس دنیا سے رخصت ہونا ہے، ہر ایک کو قیامت کے دن اس کے دنیوی اعمال کو پورا پورا بدلہ ملے گا، دنیا کا نفع ونقصان محض ایک فریب ہے، حقیقی نفع ونقصان تو آخرت کا ہے، اس دن جس کی مغفرت کردی گئی اور جسے جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کردیا گیا وہ کامیاب ہوا، اور جس کو عذاب سے دوچار ہونا پڑا وہ ناکام رہا۔

اقبال کہتے ہیں کہ اے غافل بندے! تو دنیا ہی میں مست ہے، دنیا ہی کو اپنا مقصد زندگی سمجھا ہوا ہے، تیری

ساری تگ ودو اور دوڑ دھوپ دنیا ہی کے لیے ہے، تو نے ایسا کر کے دھوکے کا سامان خریدا ہے، یہ سامان تجھے مرنے کے بعد کچھ کام نہیں آئے گا، تو دنیا کے نفع ونقصان کو حقیقی نقصان سمجھ بیٹھا ہے جو کہ ایک فریب سے بڑھ کر کچھ نہیں، لا الہ الا اللہ کی حقیقت کو ہمیشہ یاد رکھ، یہ کلمہ تجھ سے مطالبہ کرتا ہے کہ تو اللہ ہی کو اپنا معبود، مقصود ومطلوب سمجھ، دنیا کی محبت اپنے دل میں اتنی نہ بٹھالے کہ تو عبداللہ ہونے کے بجائے عبدالدینار وعبدالدرھم ہوجائے۔ اس شعر میں اقبال نے جو ''سودا'' کا لفظ استعمال کیا ہے وہ بہت معنی خیز ہے، سودا کا استعمال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی چیز کسی چیز کے عوض لی یا دی جائے، یہاں سودا کے استعمال سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ دنیا دھوکے کا سامان اس وقت ہے جب یہ سامان آخرت کے عوض حاصل کیا جائے، لہذا اگر دنیا کا استعمال آخرت کی تیاری کے لیے کیا جائے تو پھر دنیا کا سامان وہی ''حسنة'' ہے جس کی دعا اللہ نے قرآن میں ہمیں سکھائی ہے۔

اقبال نے اس شعر میں دنیا کی بے ثباتی اور خدا کے سوا ہر شے کی ناپائیداری کو بتایا ہے اور انسانوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ وہ اس دنیا کے دھوکے میں نہ پڑیں، دنیا کی آسائشوں کی خاطر آخرت کی زندگی کو فراموش نہ کردیں، دنیوی نفع ونقصان کی خاطر اپنے ایمان کا اور آخرت کا نقصان نہ کر بیٹھیں، اللہ ہی کو اپنا معبود ومقصود ومطلوب بنائیں، دنیا کی چند روزہ زندگی کو آخرت کے عوض حاصل نہ کریں، بل کہ دنیا کی زندگی کو رب کی رضامندی اور اخروی کامیابی کا ذریعہ بنائیں، اور کلمہ لا الہ الا اللہ کے مقاصد اور تقاضوں کو اپنے پیش نظر رکھیں۔

یہ مال ودولت دنیا، یہ رشتہ وپیوند

بتان وہم گماں، لا الہ الا اللہ

یہ شعر گذشتہ شعر سے معنی مربوط ہے، اس میں بھی دنیا سے رشتہ جوڑنے کے بجائے اللہ سے رشتہ مضبوط کرنے اور دنیا کو اپنا مقصود سمجھنے کے بجائے اللہ کو اپنا مقصود سمجھنے کی بات کہی گئی ہے۔ رشتہ وپیوند دونوں مترادف لفظ ہیں، دونوں ''تعلق اور وابستگی'' کے معنی پر دلالت کرتے ہیں، اس سے مراد صرف خاندانی رشتہ دار نہیں ہیں؛ بل کہ خالق کے علاوہ ہر وہ مخلوق اس کے عموم شامل ہے جس سے انسان اپنا تعلق بناتا ہے، یا جس سے اس کا تعلق قائم ہوتا ہے، اس عموم سے خالق کا استثنا دوسرے مصرع کے اخیر جز لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر ہے۔ وہم وگمان دونوں حقیقت اور یقین کی ضد ہیں، بتان وہم وگمان کا مطلب ہے وہم وگمان کی بنیاد پر تراشے ہوئے بت، یعنی انسان کا یہ وہم ہے اور یہ گمان کر بیٹھا ہے کہ دنیا کی یہ مالداری، یہ رشتہ داری اور مخلوق خدا سے یہ وابستگی اس کے حق میں مفید ہے، وہ مال ودولت کو حاصل کرنے اور اپنے مفاد کے لیے دنیا والوں سے تعلقات بنانے کے پیچھے رب کی تعلیمات کو نظر انداز کردیتا ہے، اور حق کے لیے کھڑا ہونے سے اس لیے کتراتا ہے کہ یہ دنیوی مال ودولت ضائع نہ ہوجائے اور دنیوی تعلقات خراب نہ ہوجائیں، اس طرح وہ اپنی پوری زندگی مفاد پرستی، موقع شناسی، خدا فراموشی، مخلوق ترسی اور دولت اندوزی میں گذار دیتا ہے، مگر ایک دن آتا ہے کہ اسے یہ سب کچھ چھوڑ کر جانا پڑتا ہے، اس کی دنیا داری، رشتہ داری اور مخلوقات سے تعلقات کسی کام نہیں آتے، اس وقت اسے افسوس ہوتا ہے کہ اے کاش میں اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط کرتا اور دنیا کو اپنا مقصد زندگی نہ بنا کر اس کو اللہ کے احکام کے مطابق اس کی رضا کی خاطر برتتا تو آج میں کامیاب لوگوں میں شامل ہوتا۔

بتان وہم گماں کا لفظ پہلے مصرع کی خبر بھی ہے، مال ودولت دنیا یہ رشتہ وپیوند مشبہ ہے اور بتان وہم وگماں مشبہ بہ ہے، ادات شبہ اور وجہ شبہ محذوف ہے اس لیے یہ تشبیہ بلیغ ہے، تقدیری عبارت یوں ہے کہ یہ مال ودولت دنیا اور یہ رشتہ وپیوند فریب کاری میں اور بے حقیقت و بے فائدہ اور ضرر رساں ہونے میں بتوں جیسے ہیں، اور یہ بت بھی ایسے جو انسان نے محض اپنے وہم وگمان کی بنیاد پر تراشے ہیں۔ یعنی دنیا کا مال ومتاع، دنیا اور اہل دنیا سے رشتہ وتعلق کی مثال بتوں جیسی ہے کہ جو کسی کے کام نہیں آتے، لوگ ان بتوں پر اپنا دل اپنا مال سب کچھ نچھاور کردیتے ہیں مگر ان بتوں سے اتنا گہرا تعلق قائم رکھنے کے باوجود اور ان کے سامنے سر جھکانے کے باوصف یہ بت ان کو سوائے نقصان کے کوئی نفع نہیں پہنچاتے، جس طرح ان بتوں کی پوجا مفید ہونے کے بجائے ضرر رساں ہے اسی طرح خدا کو چھوڑ کر دنیا اور اس کے متعلقات بھی مفید ہونے کے بجائے ضرر رساں ہیں، وہم وگماں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مال ودنیا اور رشتہ وپیوند کے یہ جو بت ہیں یہ سنگ وخشت سے بنے ہوئے نہیں ہیں، بل کہ وہم وگماں کے تراشے ہوئے ہیں، یعنی انسان نے مال ودولت دنیا اور رشتہ وپیوند کو جو بتوں جیسا مقام دے رکھا ہے تو یہ اس کا محض وہم اور گمان ہے، حقیقت اور یقینی صورت حال اس کے برعکس ہے، حقیقی اور یقینی صورتحال اس وقت سمجھ میں آتی ہے جب اس کی آنکھ بند ہوتی ہے، یا غفلت کا پردہ اس کے آنکھ سے ہٹتا ہے۔

اس شعر کے ذریعہ اقبال یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ یہ دنیا کا مال ومتاع اور اہل دنیا سے رشتہ وتعلق سب عارضی ہیں، سب کو چھوڑ کر جانا ہے، باقی رہنے والی ذات صرف اللہ کی ہے جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، اس لیے اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط کریں، اللہ کے احکام کے مطابق اور اللہ کی رضا کی خاطر دنیا حاصل کریں، دنیا کو آخرت کی کھیتی بنائیں، وہم وگمان کی مورتی نہیں، دنیا کی محبت میں ایسے مست نہ ہوں کے حق کے لیے زبان کھولنے اور حق کے لیے کھڑے ہونے کی مومنانہ جرات ومجاہدانہ شجاعت سے بھی بیگانہ ہوجائیں، اور دنیا طلبی میں ایسے مگن نہ ہوں کہ دنیا کو ہی سب کچھ سمجھ کر اللہ کی یاد سے اور آخرت میں دوبارہ اٹھائے جانے سے غافل ہوجائیں۔

DR. S.J HUSSAIN
MD (Unani)
Former director Incharge
Central Research Institute Of Unani Medicine
Govt of India

website: www.unanicentre.com
Email:syedjalilhussain@gmail.com
jaleel_hussain@yahoo.com

Dr. Jaleel's
UNANI CENTER FOR CARDIAC
یونانی سینٹر فار کارڈیک کیر

Consultation Time
Morning:9:00 am to 3:00 pm-Evening:7:00 pm to 9:30 pm
(Friday Morning and Sunday Evening Closed)

Cell:
+91 8142258088
+91 7093005707

Adress -: No: 8-1-332/3/B-69, RoadNo 1(A)Arvind Nagar Colony Tolichowk Hyderabad - 500008 T.S India

اسما فیروز۔ریسرچ اسکالر شعبہ تعلیم وتربیت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

قرآن نسخہ ہدایت

قرآن مجید دراصل اللہ رب العزت کی جانب سے ہدایت کے سلسلے کی آخری کڑی ہے جس کے بارے میں اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے اس وقت عہد لیا تھا جب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہا السلام کو اس دنیا میں بھیجا جا رہا تھا۔سورۃ البقرہ میں اس کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا گیا ہے "**فاما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون والذین کفروا و کذبوا بایاتنا اولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون**"۔(البقرہ: ۸۳۔۹۳) ترجمہ:"جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ خوف ہوگا نہ کچھ غم اور جنہوں نے اس کو قبول نہ کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

جب حضرت ابراہیم وحضرت اسماعیل علیہما السلام خانہ کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے اس وقت انہوں نے دعا کی تھی کہ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم ۔ ربنا واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امه مسلمه لک وارنا مناسکنا وتب علینا انک انت التواب الرحیم. ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھمایاتک ویعلمھم الکتاب والحکمه ویزکیھم انک انت العزیز الحکیم** ۔(البقرہ۱۸۲۔۹۲۱)۔ترجمہ:"اے اللہ ہم سے یہ خدمت قبول فرما اور تو سننے اور جاننے والا ہے اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بنائے رکھنا اور اے اللہ ہمیں ہمارے طریق عبادت بتا اور ہمارے حال پر رحم فرما بےشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے اے پروردگار ان لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرمانا جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور کتاب اور دانائی کی باتیں سکھائے اور ان کے دلوں کو پاک صاف کرے، بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے"۔ اس وقت جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک امت کے لیے دعا کی تھی وہیں اس کی رہنمائی کے لئے ایک رسول اور ایک کتاب ہدایت کی بھی دعا کی تھی۔ دعاء من عند اللہ مقبول ہوئی اور امت مسلمہ کو حضرت محمد مصطفیؐ کی صورت میں ایک رسول اور قرآن مجید کی صورت میں ایک کتاب ہدایت سے سرفراز کیا گیا۔قرآن مجید اللہ رب العزت کی طرف سے رہتی دنیا تک کے لئے ہدایت ورہنمائی کا ضامن ہے۔

ذیل میں چند آیات پیش کی گئی ہیں ان آیات سے نزول قرآن کا مقصد واضح ہو کر سامنے آتا ہے

(1) **کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید** ۔(سورہ ابراہیم:۱) ترجمہ:"یہ ایک پرنور کتاب ہے اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ یعنی

ان کے رب کے حکم سے غالب اور قابل تعریف اللہ کے رستے کی طرف"۔

(2)کتابانزلناہ الیک مبارک لیدبروا ایاتہ ولیتذکر اولو الالباب (سورہ ص:۹۲)۔ترجمہ:" ہم نے یہ بابرکت کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں غور وفکر کریں اور عقل والے سمجھیں اور سبق حاصل کریں. "

(3)ذلک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین ۔(سورہ البقرہ:۲)ترجمہ:"اس کتاب میں کوئی شک نہیں اور یہ ہدایت ہے متقین کے لئے"۔

(4)شھر رمضان الذی انزل فیہ القران ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان ۔(سورہ البقرہ:۵۸۱) ترجمہ:" رمضان وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے"۔

(5) یا ایھا الناس قد جائکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا ۔(سورہ النسا:۱۷۴)ترجمہ:'' لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیل آچکی ہے اور ہم نے اندھیرا دور کرنے کو تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے"۔

(6) یا ایھا الناس قد جائتکم موعظہ من ربکم وشفاء لما فی الصدور وھدی ورحمہ للمؤمنین ۔(سورہ یونس:۵۷)ترجمہ:"لوگو!تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے"۔

مذکورہ بالا آیات قرآن مجید کے مقصد نزول اور اس سلسلے میں امت مسلمہ کے مطلوبہ رویے پر بہت ہی واضح انداز سے روشنی ڈالتی ہیں۔ان تمام آیات میں جو بات خاص طور پر موجود ہے وہ یہ کہ قرآن مجید انسانوں کے لیے کتاب ہدایت ہے، تاریکیوں سے روشنی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور حق وباطل کے درمیان تمیز اور تفریق کرنے والا ہے۔قرآن مجید خدائے ذوالجلال کا کلام ہے جسے خدائے بزرگ و برتر نے نوع انسان کی ہدایت کے لیے اپنے برگزیدہ بندے محمد مصطفیؐ پر نازل فرمایا۔قرآن مجید سے قبل بھی انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے اللہ تعالی نے کتابیں نازل فرمائیں لیکن یہ تمام کتابیں اور صحیفے ان کے ناخلف حاملین کی تحریفات کا شکار ہو کر رہ گئے اور جب قرآن مجید آیا تو جملہ سابقہ کتب اور صحیفے منسوخ ہوگئے۔قرآن مجید اللہ رب العزت کا آخری پیغام ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ رب العزت نے خود لے رکھی ہے،سورۃ الحجر میں فرمان الٰہی ہے،قرآن مجید کو اللہ نے جس طرح نازل فرمایا ہے اسی طرح وہ اس کی حفاظت کا بھی ذمہ دار ہے اللہ نے فرمایا"انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون"ترجمہ:"بےشک ہم نے قرآن مجید نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ."

قرآن مجید کا مقصد نزول صحیح راستے کی جانب انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی ہے . قرآن مجید کتاب ہدایت ہے تاکہ لوگ اسے سمجھیں اس پر عمل کریں اور اس کے نتیجے میں دنیا اور آخرت میں اللہ رب العزت کی نعمتوں اور رحمتوں کی چھایا میں رہیں . یہ کتاب انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے سلسلے میں اور نفس کے تزکیہ سے لے کر فرد کے ارتقا اور پھر سماج کی ہمہ جہت تعمیر و ترقی

کے راستے ہموار کرتی ہے۔ پاکستان کے معروف دانشور پروفیسر خورشید احمد نے اپنی کتاب " قرآن مجید مقصد اور پیغام" میں اس کا بہت ہی اچھا تجزیہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے ایک نیا راستہ دکھایا ہے اس نے قبیلے، نسل، رنگ، خاک وخون اور جغرافیائی تشخص کے بتوں کو پاش پاش کیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ پوری انسانیت ایک گروہ ہے اور اس میں جمع اور تفریق اور اجتماعی نظام کی تشکیل کے لئے صرف ایک ہی اصول صحیح ہے یعنی عقیدہ اسلام اور منہج قرآن۔ اسی اصول کے ذریعہ اس نے ایک نئی امت بنائی اور اس امت کو انسانیت کی اصلاح اور تشکیل نو کے عظیم کام پر مامور کردیا۔ جیسا کہ سورۃ آل عمران میں موجود ہے اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے، نیکی کا حکم دیتے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔ قرآن نے اس امت کی انفرادی و اجتماعی زندگی کی بھی صورت گری کی ہے اور اسے باقی انسانیت کے لئے خیر وصلاح کا علمبردار بنایا ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے چھٹی صدی عیسوی کے ظلم اور تاریکی سے بھری ہوئی دنیا کو تاریخ کے ایک نئے دور سے روشناس کرایا، جس نے عرب کے اونٹ چرانے والوں کو انسانیت کا نگہبان بنادیا،، جس نے ریگستان کے بدوؤں کو تہذیب و تمدن کا معمار بنادیا، جس نے مفلسوں اور فاقہ کشوں میں سے وہ لوگ اٹھائے جو انسانیت کے رہبر بنے، وہ نظام قائم کیا جس نے طاغوت کی ہر قوت سے ٹکر لی اور اسے مغلوب کر ڈالا۔ قرآن طاقت کا ایک خزانہ ہے، اس نے ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانوں کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی اور ان کے ہاتھ سے ایک نئی دنیا تعمیر کرائی تھی۔ اسی طرح آج بھی قرآن اپنے ماننے والوں کو تباہی سے بچا سکتا ہے اور انسانیت کا رہنما اور تاریخ کا معمار بنا سکتا ہے بشرطیکہ وہ اس کا حق ادا کرسکیں۔

امام احمد ابن حنبل نے خوب کہا" **لا یصلح آخر ھذہ الامۃ الا بما صلح بہ اولھا** "یعنی اس امت کے بعد کے حصے کی اصلاح بھی اسی چیز سے ہوگی جس سے اس کے اول حصے کی اصلاح ہوئی تھی اور یہ چیز قرآن ہے۔

قرآن مجید کے مطالعے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا بنیادی مقصد خود شناسی اور خدا شناسی ہے، یہ کتاب انسانی زندگی کو صراط مستقیم پر چلنے کے لئے روشنی فراہم کرتی ہے، جو لوگ غلط راستے کی طرف بڑھتے ہیں ان کی ٹھیک راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ نزول قرآن کا مقصد بنیادی طور پر یہ بیان کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب انسان کو دنیا و آخرت میں کامیابی کے حصول کا طریقہ بتاتی ہے جس سے انسان رضائے الٰہی حاصل کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس کو دنیا میں اطمینان اور آخرت میں دائمی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ یہ کتاب انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرف رہنمائی کرتی ہے، زندگی کے تمام مسائل اور مشکلات کا حل پیش کرتی ہے جس کی روشنی میں انسان شیطان اور اس کے فریب سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ مزید قرآن کے مقصد منزل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ کتاب محض تلاوت کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ اللہ کی طرف سے کتاب ہدایت ہے اور اس کتاب سے حقیقی طور پر وہی لوگ مستفید ہوسکتے ہیں جو اس میں غور وفکر کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں، حقیقت میں یہی لوگ اجر وثواب کے مستحق ہوتے ہیں اور دو جہاں کی کامیابی وہ کامرانی پر فائز کیے جاتے ہیں۔ **واللہ المستعان**

(آخری قسط)

طفیل احمد مصباحی، بہار

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی دینی، علمی و تصنیفی خدمات

علامہ فضل حق خیر آبادی، صدر الافاضل علامہ نعیم الدین مرادآبادی، حضرت محدث اعظم ہند، رئیس المحققین علامہ سید سلیمان اشرف بہاری وغیرہم کے سیاسی شعور اور قائدانہ بصیرت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے سیاسی کارناموں اور سماجی کارگزاریوں کو ہم کسی صورت فراموش نہیں کرسکتے۔ بیسویں صدی عیسوی میں مسلم قیادت کی باگ ڈور جن اولو العزم علمائے کرام کے ہاتھوں میں تھی، موصوف ان میں سے ایک تھے، بلکہ اس معاملے میں مختلف جہتوں اپنے ہم عصروں میں منفرد و ممتاز تھے۔ یہ اقتباس ملاحظہ کریں اور ملی قیادت کے حوالے سے ان کی تہہ دار فکر و شخصیت کا اندازہ لگائیں:

"حضرت مولانا قیام الدین محمد عبدالباری فرنگی محلی چودھویں صدی ہجری کے نصفِ اول کی وہ مقتدر شخصیت ہے، جس کے محور پر عہدِ جدید کی ہندوستانی مسلم تاریخ بلکہ ہندستانی سیاست کی جدید تاریخ بڑی حد تک گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ " (ممتاز علمائے فرنگی محل، ص:179، ناشر: مکتبہ ایوبیہ، کشی نگر، یوپی)

غرض کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی ذات بیشمار اوصاف وخصوصیات کی حامل تھی۔ مروجہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ حاصل تھی۔ زندگی کا بیشتر بڑا حصہ درس وتدریس اور وعظ و تلقین میں بسر کیا۔ علاوہ ازیں ملکی سیاست میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ کا سیاسی شعور بڑا گہرا تھا۔ حالاتِ حاضرہ پر کڑی نظر تھی۔ قومِ مسلم کے روشن مستقبل کے لیے ایک سیاسی پلیٹ فارم پر آپ نے بہت دنوں تک گاندھی جی کے ساتھ مل کر کام کیا اور آخر میں ان سے علاحدہ ہوگئے۔ جدید تعلیم یافتہ لوگوں کی سیاسی جدوجہد کو مذہبی تحریک میں بدل دینا اور اس پلیٹ فارم سے قومی وملی قیادت کا فریضہ انجام دینا، آپ کی سیاسی بصیرت اور مضبوط حکمت عملی کی روشن دلیل ہے۔ مولانا موصوف ایک دردمند دل لے کر دنیا میں آئے تھے اور اپنی قوم کو خوش حال دیکھنا چاہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قومی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے اور دنیا میں جہاں کہیں مسلمانوں پر ظلم ہوتا، مسلم مفادات کو نقصان پہنچانے کی کوششیں کی جاتیں، آپ تڑپ اٹھتے اور اپنے سیاسی اثر ورسوخ کا استعمال کرتے ہوئے ان مظالم کے خلاف سینہ سپر ہو جاتے۔ ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کی دعوت سب سے آپ ہی نے دی، جس سے دینی طبقے میں اضطراب بھی پیدا ہوا، لیکن آپ اس کی پرواہ کیے بغیر اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور اسلامیانِ ہند کی ہمہ جہت ترقیوں کے لیے تادمِ حیات کوشاں رہے۔

مولانا عنایت اللہ انصاری، مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی سیاسی سرگرمیوں اور مختلف تحریکات سے ان کی گہری وابستگیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جنگ بلقان، اس کے بعد مسجد کان پور کا واقعہ، پھر ترکوں کے ساتھ لارڈ جارج کے شرم ناک ظلم کے پے در پے ایسا واقعات پیش آئے جنھوں نے عالمِ اسلامی میں تلاطم پیدا کردیا اور یہ صاف نظر آنے لگا کہ یورپ کے اقتدار پسند اور اسلام کے دشمن مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں تو

مولانا عبدالباری صاحب علمائے حقانی کے طور پر دلیرانہ اور اور مجاہدانہ طور پر سیاسیاتِ مذہبی میں کمال سرگرمی اور جاں فروشی سے منہمک ہو گئے اور خدام کعبہ، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء کا سنگ بنیاد رکھا اور یہ ذرا بھی مبالغہ نہیں ہے کہ جمعیۃ العلماء اور خدام کعبہ کے بانی و مؤسس حضرت استاذ ہی تھے اور مجلسِ خلافت کو ہندوستان کے تمام اہلِ اسلام کی عام تحریک و اشاعت کرنے میں مولانا ہی کا قدم سب سے آگے تھا۔ اس کے ابتدائی انتظامات و مصارفِ قیام آپ ہی کے مبارک ہاتھوں انجام پائے۔ بہر حال ان تمام تحریکات میں مولانا نے دامے درمے سخنے قدمے جو کوششیں کی ہیں، وہ اخبار بیں حضرات خوب جانتے ہیں۔ (تذکرہ علمائے فرنگی محل، ص: 111؛110، مطبوعہ: اشاعۃ العلوم برقی پریس، فرنگی محل، لکھنؤ)

آپ حالات کے تقاضوں کے تحت اگر چہ ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے (شاید آپ کی نظر میں اس کی کوئی وجہِ شرعی رہی ہو) مگر ایمان وعقائد کے معاملے میں سخت تھے اور اس باب میں کسی قسم کی مداہنت کے قائل نہیں تھے اور اس کی سب سے مضبوط دلیل آپ کے حکم سے فرنگی محل میں اشرف علی تھانوی کی بہشتی زیور اور حفظ الایمان کا نذرِ آتش کیا جانا ہے اور یہ کام وہی کرسکتا ہے یا کرواسکتا ہے، جو عقائد کے معاملے میں غایت درجہ متصلب ہو۔

اس حوالے سے مفتی محمود احمد رفاقتی مظفر پوری لکھتے ہیں:

آپ کو تمام علوم میں تجرِ تام حاصل تھا۔ فاضل بریلوی مولانا احمد رضا آپ کو "فاضلِ اکمل" کہتے تھے۔ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی (1323ھ) کے بعد مدرسہ نظامیہ میں درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔ پوری قوت سے درس دیتے تھے۔ پہلے مختلف فنون سے دلچسپی تھی۔ آخر میں صرف حدیث شریف پڑھاتے تھے۔ بڑے بڑے علما اور فضلا نے آپ سے اخذِ علوم کیا۔ آپ کو سیاست سے بھی دلچسپی تھی۔ مسٹر گاندھی کو آپ ہی کی ذات سے شہرت نصیب ہوئی۔ مگر اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی علیہ الرحمہ کی توجہ دلانے پر مسٹر گاندھی کا ساتھ چھوڑ دیا۔ (تذکرہ علمائے اہلِ سنت، ص:173؛174، سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد، پاکستان)

تحریری وتصنیفی خدمات :

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی ہمہ گیر خدمات کا ایک روشن اور تابناک پہلو یہ بھی ہے کہ انہوں نے مختلف موضوعات پر ایک سو سے زائد کتب ورسائل تصنیف کیے ہیں۔ آپ کا شمار ہندوستان کے صاحبِ تصانیفِ کثیرہ علما و مصنفین میں ہوتا ہے۔ آپ کی پوری زندگی درس وتدریس، اشاعتِ دین اور تصنیف و تالیف میں بسر ہوئی اور کثیر تعداد میں کتابیں لکھیں۔ میری ناقص معلومات کی حد تک علامہ عبدالحی فرنگی محلی کے بعد آپ اس خانوادے کے دوسرے کثیر التصانیف عالم وفاضل ہیں۔ آپ کی تصنیفی خدمات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ تبلیغی اسفار اور ملی وسیاسی سرگرمیوں میں ہمہ تن مصروف رہنے کے باوجود اتنی وافر مقدار میں کتابیں آپ کے قلمِ اعجاز رقم سے کیسے وجود میں آگئیں!!

ان کی تصنیفی خدمات کے حوالے سے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

فرنگی محل (لکھنؤ) میں مدرسہ نظامیہ کے نام سے ایک باقاعدہ مدرسہ عربیہ کی بنیاد ڈالی اور اس کو باقاعدہ مدرسہ بنا دیا، جس سے متعدد اصحابِ فکر اور اہلِ قلم طلبہ پیدا ہوئے۔ انہوں نے اپنے بعد اپنی تالیفات وتصنیفات کی فہرست یادگار چھوڑی ہے۔ وہ فقہِ حنفی کے پُر جوش حامی تھے اور ان کی قلمی و

علمی کوششیں زیادہ تر اسی کے متعلق صرف ہوتی رہیں۔ان کی چھوٹی بڑی تصنیفات ورسائل کی فہرست سو(100) کے قریب ہوگی،جن میں سب سے زیادہ مفید وکارآمدان کی اردو تفسیر تھی جو افسوس کہ ناتمام رہی۔امام محمد کی "سیر کبیر" کا کام بھی ان کے پیش نظر تھا۔علمِ حدیث میں بھی ان کے ایک دو رسالے ہیں۔
(یادِ رفتگاں،ص:57،ناشر:دارالمصنفین ،اعظم گڑھ،یوپی)

تذکرہ علمائے فرنگی محل،ص116:117 میں آپ کے مندرجہ ذیل کتب ورسائل کی فہرست پیش کی گئی ہے:-

علمِ صرف:(1) تحفۃ الاخوان(2) ہدیۃ الخلان (3) المنتخب (4)سلسلۃ الذہب (5) تسہیل الصرف (6) جامع الفوائد (7) ارتقاء الشرف(8) شرح ہدایۃ الصرف(9) شرح فصولِ اکبری(10) مقدمۃ الصرف

علمِ نحو:(11) نور الصباح شرح المصباح(12) ہدیۃ الطلبہ (13) شرح ہدایۃ النحو (14) حاشیہ الفیہ۔

علمِ حکمت و فلسفہ: (15) تحفۃ الاصحاب(16) عین الصواب(17) حاشیۃ النافعہ علی ظفرۃ الزاویہ(18) رسالہ فی الھیئۃ القدیمہ والجدیدہ

علمِ منطق : (19) اعتصام الاذہان(20) شرح ایساغوجی(21) تقریب الاذہان

علمِ فقہ: (22) الانصاف فی الاوقاف(23) الدرر الفاخرہ للذریۃ الطاہرہ(24) العمل المغفور(25) رحمۃ الغفور(26) خیر الزاد(27) الفیض الربانی(28) قرۃ العیون(29) حیات اولی الالباب الحظر (30) رسالہ تحقیق الجزیہ(31) احقاق السماع (32) احسن القربات(33) رجم الشیطان(34) غایۃ المامول(35) القول المؤید (36) کشف الحال(37) طعن السنان(38) التعلیق المختار (39) رسالہ فی مسائل الطہارۃ(40) ذب الطاعنین (41) خیر الدعاء (42) الحرز المصون(43) رحمۃ الامۃ (44) صرع الجان (45) فتاویٰ قیام الملۃ والدین(46) تعلیق الازہار(47) البیان المسلم فی ترجمۃ الکلام المبرم فی نقض القول المحکم (48) العمل الماجور بترجمۃ المبرور فی رد القول المصور(49) الحج المغفور فی ترجمۃ السعی المشکور فی المذہب الماثور(50) محاسنِ جمیلہ(51) سوق الایمان (52) رسائل متعلق ذبیحہ(53) الاصلاح

علمِ فرائض : (54) کتاب الفرائض(55) حاشیہ سراجیہ(56) الاظہار فی توریث الاماء والاصہار (57)

علمِ کلام :(58) غایۃ الکلام (59) زبدۃ الفرائد (60) کتاب العقائد(61) سائنس وکلام

اصولِ فقہ:(62) ملہم الملکوت شرح مسلم الثبوت (63) نھایۃ الانکشاف فی درایۃ الاختلاف(64) اعجاز الابصار شرح المنار

علمِ حدیث :(65) الآثار المحمدیہ(66) الآثار المتصلہ (66) الدرۃ الباھرہ فی الاحادیث التواترہ (67) شفاء الصدور(68) راحۃ الفواد(69) الارشاد فی الاسناد (70) الباقیات الصالحات(71) الھیاکل المعنویہ فی شمائل النبویہ(72) اربعینِ حدیث(73) آثار الامامۃ(74) الاربعین الزاجرہ فی الحوادث الحاضرہ(75) الذہب المؤید فی ما ذہب الیہ احمد(76) ھدیۃ الطیبہ لصلۃ ابن شیبہ(77) الذب عن ابی حنیفہ(78) .... بہ ابن تیمیۃ

علمِ تفسیر : (79) فیض القادر تفسیر آیۃ الغافر (80) بیان القرآن(81) تفسیر الطاف الرحمٰن

سیرت و سوانح : (82) تنویر الصحیفہ(83) شہادت الحسین (84) تنشیط الجبین (85) رسالہ فی الوفات (86) رسالہ فی المعراج(87) مختصر التاریخ (88) اصول

التاریخ(89)الآثار الاول(90)(91)تحفۃ الاخلاء (92)(93)جلاء الابصار(94)(95)الہدیۃ المعیفہ (96) الرحلۃ الوافیہ(97) الرحلۃ الحجازیہ(98)حیرۃ المستر شد لوصال المرشد(99)عرس حضرت بانسہ(100) ملفوظ حضرت سید السادات(101)مقدمۃ التعلیق المختار علی کتاب الآثار(102) تسہیل المنہج فی اسماء رجال کتاب الحج (103) مقدمہ حاشیہ سیر صغیر وسیر کبیر

تصوف و سلوک : (104)افضل الشمائل (105) سبیل الرشاد(106)رسالہ نصیحت(107)رسالۃ التوبہ(108)نظم الفرائد(109)محاسنِ یوسفی(110) حاشیہ فصوص الحکم(111)رسالہ اذکار واشغال(112)

علمِ ادب: (113)حاشیہ حماسہ(114) شرحِ قصیدہ بردہ

مولانا عبدالباری فرنگی محلی کی ان تصانیف کے علاوہ مختلف کتب درسیہ پر حواشی ہیں۔جیسے: حاشیہ شرحِ سلم قاضی، حاشی؟ میر زاہد، حاشیہ علیٰ حاشیہ غلام یحییٰ بہاری، حاشیہ شرح ہدایت الحکمت، حاشیہ شمسِ بازغہ، حاشیہ نور الانوار، حاشیہ اصول بزدوی، حاشیہ شرحِ مشکوٰۃ اور رسالہ سائنس وکلام جس کی 34/ جلدیں ہیں اور ان میں سے صرف ایک جلد شائع ہوئی ہے۔

اہلِ علم وقلم سے دردمندانہ گذارش:

اسلافِ کرام کے علمی سرمایے کی حفاظت،ہم سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے۔زندہ قوم اپنے بزرگوں کی علمی، ادبی اور تحقیقی کاوشوں کو کبھی ضائع نہیں ہونے دیتی۔اربابِ علم وقلم کی بارگاہ میں دست بستہ گذارش ہے کہ وہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی علیہ الرحمہ کے مذکورہ بالا کتب ورسائل کو زمانے کی دست برد سے بچائیں۔انہیں سرِ نو اپڈیٹ کریں اور ضرورت کے مطابق ان کا ترجمہ وتشریح وتسہیل وتخریج کرکے منظرِ عام پر لائیں۔

احمد علی برقی اعظمی۔دہلی

کر رہا ہوں لاک ڈاؤن میں بسر

کر رہا ہوں لاک ڈاؤن میں بسر
جیسے ہو اک قید خانہ میرا گھر
بند ہے کورونا سے سب کا ناطقہ
نالہ ہائے نیم شب ہیں بے اثر
ہے یہ کورونا ایک قدرت کا عذاب
اسپتالوں میں ہیں بے بس چارہ گر
آج ہر گھر کی یہی ہے داستاں
ہے امیر شہر جس سے بے خبر
لکھ رہا ہوں میں قلم برداشتہ
آج ہے جس حال میں نوع بشر
جن کا کوئی بھی نہیں پرسان حال
ہیں سبھی مزدور سرگرم سفر
ہیں جو اہل خانداں سے اپنے دور
ہے پڑا کوئی اِدھر کوئی اُدھر
درہم و برہم ہے دنیا کا نظام
وائرس کے ہیں سبھی زیر اثر
جب بھی سوشل میڈیا پر دیکھئے
موت کی ملتی ہے لوگوں کی خبر
تھے جو اپنے عہد کے بیدار مغز
چل بسے کتنے نہ جانے دیدہ ور
کرب تنہائی سے اب عالم ہے یہ
کاٹنے کو دوڑتا ہے اپنا گھر
کھو چکا تاب و تواں مرغ خیال
مضمحل ہیں جس کے برقیؔ بال و پر

صدام حسین ریسرچ اسکالر،شعبہ اردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اردو نعت گوئی میں مولانا احمد رضا خاں کا مقام

نعت کے شاعر کو نعت شروع کرنے سے قبل حضور ﷺ کے مراتب جلیلہ کا بھرپور خیال رکھنا چاہئے اور اسے یہ سوچنا چاہئے کہ میں اس ذات والا صفات پر قلم اٹھا رہا ہوں جسکی اطاعت و محبت کو اللہ رب العزت نے اپنی اطاعت و محبت قرار دیا ہے۔جس کا مداح خود خدا ہو میں اس کی تعریف کا حق کیسے ادا کر سکتا ہوں؟ مولانا احمد رضا خان اس کا اعتراف یوں کرتے ہیں:

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

جب اس طرح کی عجز سامانی غالب آنے لگتی ہے تو یہ احساس یکا یک زندگی بخشنے لگتا ہے کہ اے شاعر خوش نوا! تو محبتوں میں کیوں الجھتا ہے تیرے لئے تو یہی احساس کافی ہے کہ تو ممدوح خدا کی توصیف رقم کر رہا ہے فقط ادب، احتیاط اور تعظیم شرط ہے۔یہ احتیاط احکام قرآن کا تقاضا بھی ہے اور محبوب دو عالم ﷺ سے محبت کا صلائے عام بھی۔یہ احتیاط اور احترام ہی تو محبت رسول ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے لفظوں میں:

"کوئی شخص عشق رسول ﷺ کی شاعری نہیں کر سکتا جو محبت کے کرب و درد، انہماک اور مرکزیت توجہ سے باخبر نہ ہو"۔

مولانا احمد رضا خان نے اپنی پوری نعتیہ شاعری میں احتیاط،ادب اور پاس شریعت کا اعلیٰ خیال رکھا ہے۔اور یہی پاس ادب و شریعت ان کی شاعری کا حسن اور اعزاز بن کر ابھرتا ہے۔انکے لئے نعت اظہار فن کا ذریعہ نہیں بلکہ فقط اور فقط عبادت تھی۔ادب اور احتیاط کے حوالے سے ایک شاعر لکھتا ہے:

نعت نبی جو کہتا ہے اے شاعر وسنو!
سمجھو کہ ہے گزرنا تمہیں پلصراط سے
آنکھیں بھی باوضو ہوں دلوں میں بھی سوز ہو
اک حرف بھی کہو تو کہو احتیاط سے

مولانا احمد رضا خان کی شاعری اس شعر کی صحیح ترجمان ہے۔انہوں نے نعتوں میں حد درجہ احتیاط اور ادب کو سمویا ہے۔انکی شاعری کا غالب حصہ قرآن وحدیث کی سچی تفسیر ہے۔روایتی غزل کے لئے مستعمل شدہ غزلیہ مضامین ،عامیانہ سطح کی تراکیب اور معمولی نوعیت کی تشبیہات و استعارات سے اپنے دامن کو بچائے رکھا ہے۔اس ضمن میں ایک تاریخی واقعہ کا ذکر یقیناً ایمان کو تازگی بخشے گا:

اردو کے مشہور شاعر جناب اطہر ہاپوڑی نے ایک نعت لکھ کر مولانا احمد رضا خان کے پاس بغرض اصلاح ارسال کی جس کا مطلع تھا:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
مجنوں کھڑے ہیں خیمہ لیلیٰ کے سامنے

مولانا احمد رضا خان اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا کی مطلع کا مصرع ثانی منصب رسالت سے فروتر ہے ۔محبوب پروردگار کے گنبد خضریٰ کو خیمہء لیلیٰ سے تشبیہ دینا بے ادبی ہے اور مجنوں میاں بیچ میں کہاں سے آگئے؟ یہ تو ذات رسول ﷺ کا معاملہ ہے ۔ساتھ ہی قلم برداشتہ یوں اصلاح فرمائی:

کب ہیں درخت حضرت والا کے سامنے
قدسی کھڑے ہیں عرش معلیٰ کے سامنے

اطہر ہاپوڑی اس پر بہت خوش ہوئے اور تمام عمر اس پر نازاں رہے۔

(''ماہنامہ انیس'' باب ربیع الاول ۱۴۰۱ھ صفحہ ۳۰۰)

مولانا احمد رضا خان کے کلام کی عمدگی کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ انہوں نے نعت گوئی کے لئے قرآن وحدیث کو مشعل راہ بنایا ہے اور حضور ﷺ کے صفات و اعجاز، مناقب ومراتب اور بے مثل و بے مثال اوصاف کو قرآن وحدیث کی روشنی میں عام فہم انداز میں پیش کیا ہے ۔قرآن کریم سے آپ نے نعت گوئی سیکھی اور اس کو تمام تر رعنائیوں سے پُر کرنے کے لئے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے واقفِ راہِ عشق کو خضر راہ بنایا اور انکے نقش قدم کو اختیار کیا۔خود فرماتے ہیں:

قرآں سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

کلام رضا سے دو مثالیں:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم
خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

خدا کی ہے رضا بیشک رضا جو مصطفیٰ کی ہے
کہ جو مرضی محمد ﷺ کی وہی مرضی خدا کی ہے

ہر شاعر اپنے کلام میں صنعات کے استعمال سے حسن پیدا کرتا ہے ۔گویا صنعتوں کا خوبصورت استعمال کلام کے حسن میں چار چاند لگا دیتا ہے ۔بعض لوگوں نے صنعات کو کلام کا زیور بھی کہا ہے ۔اردو ادب کے شہرۂ آفاق شعراء صنعات کے استعمال میں بھی کوشاں رہے اور حسب استطاعت ان کو اپنے کلام میں برتا بھی ۔مولانا احمد رضا خان نے بھی اپنے کلام میں ان صنعات کا بھرپور استعمال کیا ہے اور اردو ادب میں ایک مثال قائم کردی کہ نعتیہ شاعری میں بھی ان صنعات کا حسین انداز میں استعمال کیا جاسکتا ہے ۔آپ نے اپنے نعتیہ اشعار میں ان صنعات کو ایسے حسین پیرائے میں نظم فرمایا ہے کہ اہل ذوق کو مجبور ہوکر اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ حضرت رضا کا مقام فن وادب کے اعتبار سے بھی تمام اردو شعراء میں سب سے بلند وبالا ہے ۔کلام رضا سے اسکی چند مثالیں:

صنعت تشبیہ: دل کرو ٹھنڈا مرا وہ کف پا چاند سا
سینے پہ رکھ دو ذرا تم پہ کروڑوں درود

صنعت اقتباس: ورفعنا لک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
بول بالا ہے ترا، ذکر ہے اونچا تیرا

صنعت تضاد: وہاں فلک پر یہاں زمیں پر رچی تھی شادی مچی تھیں دھومیں
ادھر سے انوار ہنستے آتے، ادھر سے نفحات اٹھ رہے تھے

صنعت تلمیح: لم یات نظیرک فی نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا
جگ راج کو تاج تورے سر سو ہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

صنعت تجنیس تام: نور وبنتِ نور وزوج نور ودام نور ونور

نورِ مطلق کی کنیز، اللہ دے لینا نور کا

صنعت تجنیس ناقص: سونا پاس ہے، سونا بن ہے، سونا زہر ہے اٹھ پیارے

تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے، تیری مت ہی نرالی ہے

کس سے کہئے کیا کیا کیا ہو گیا

خود ہی اپنے پر ملامت کیجئے

ہم انہی چند مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ کلام رضا میں تو اردو شاعری کی جملہ صنعتوں کی مثالیں موجود ہیں ۔وہ مشکل صنعتیں جو اردو کے دیگر شعراء کے کلام میں کمیاب ہیں وہ بھی آپکو رضا کے کلام میں مل جائیں گی۔ مثلاً صنعت مصمط، صنعت اتصال تربیعی، صنعت ترجیع بند، صنعت عزل الشفتین، خط توام وغیرہ ایسی صنعتیں ہیں جن کا استعمال باعث افتخار سمجھا جاتا ہے اوور جن کی مثالیں اردو شعراء کے ہاں کے بھی کم ہیں مگر مولانا احمد رضا خان نے ان مشکل صنعتون کے استعمال میں بھی کمال فن کا مظاہرہ کیا ہے۔

شاعر کا اپنے معاشرے سے سیدھا تعلق ہوتا ہے ۔جس طرح وہ سماج میں رائج محاورات وضرب الامثال کو اپنے کلام میں نظم و پیوست کرتا ہے اسی طرح وہ سماج کے رسم ورواج کو کسی نہ کسی طرح اپنے کلام میں بیان کر کے سماج کے ساتھ اپنے گہرے تعلقات کا اظہار کرتا ہے ۔ہندوستانی رسم و رواج ،تہذیب وثقافت اور تمدن کو بیشتر اردو شعراء نے اپنا موضوع بنایا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں کے کلام میں بھی ہندوستانی رسم ورواج کا ذکر خوب ملتا ہے مگر ان کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے ان ہندوستانی رسم ورواج کا بیان بھی صرف اور صرف آقائے دو عالم ﷺ کی عظمت شان کے اظہار کے لئے کیا ہے۔ کلام رضا سے اس کی چند مثالیں:

شادی رچانا اور خوشی کا سامان مہیا کرنا (رسم)

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے

نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہماں کے لئے تھے

دولہا کے ساتھ براتی کا چلنا۔ (رسم)

تو ہے نوشاہ براتی ہے یہ سارا گلزار

لائی ہے فصل سمن گوندھ کے سہرا تیرا

دولہا کے پاؤں کا دھوون۔ (رسم)

بچا جو تلووں کا انکے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ وروغن

جنہوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

میت کا آخری دیدار۔ (رسم)

مجرم کو نہ شرماؤ احباب کفن ڈھک دو

منہ دیکھ کے کیا ہوگا، پردے میں بھلائی ہے

مولانا احمد رضا خاں کے نعتیہ کلام کی ایک خاص خوبی یہ بھی ہے کہ آپ نے مختلف علوم وفنون مثلاً علم نجوم ،ہیئت ،موسیقی ،نباتات ،ارضیات ،معدنیات ،موسمیات ،ہندسہ ،اکسیر ،منطق و فلسفہ ،نفسیات ،توقیت ،ریاضی وغیرہ کی اصطلاحات کا بخوبی استعمال کیا ہے مگر ان تمام علوم وفنون کی اصطلاحات کے استعمال کا مقصد بھی تعریف رسول ﷺ کرنا تھا۔ اس قبیل کی چند مثالیں:

۱۔علم نجوم:

بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا

بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

۲۔علم ہیئت:

مہر میزاں میں چھپا ہو تو حمل میں چمکے

ڈالے اک بوند شب دے میں جو باران عرب

۳۔علم ہندسہ:

محیط و مرکز میں فرق مشکل رہے نہ فاصل خطوط واصل

کمانیں حیرت میں سر جھکائے عجیب چکر میں دائرے تھے

۴۔علم نباتات:

یہ سمن، یہ سوسن و یاسمن، یہ بنفشہ سنبل و نسترن
گل و سرو و لالہ بھرا چمن وہی ایک جلوہ ہزار ہے

۵۔علم اکسیر:

سونے کو تپائیں جب کچھ میل ہو یا میل
کیا کام جہنم کے دھرے کو کھرے دل سے

مختصر یہ کہ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری اپنا ایک امتیازی مقام اور انفرادی شان رکھتی ہے۔ آپکا نعتیہ کلام اردو ادب میں حرف آخر کی حیثیت کا حامل ہے ۔اردو شاعری کے وہ سارے اوصاف ومحاسن جو اردو کے نامور شعراء کے کلام میں متفرق طور پر پائے جاتے ہیں وہ تمام اوصاف وکمالات آپکی نعتیہ شاعری میں مجتمع ہو گئے ہیں۔جن صنعات کا اشعار میں استعمال کرنا بڑے بڑے شعراء کے لئے مشکل کام تھا ان صنعات کا نعت جیسی محتاط اور عظیم صنف میں استعمال کرنے پر آپکو ملکہ حاصل تھا ۔آپ نے اپنی نعتیہ شاعری سے اردو کو تقویت اور زینت بخشی بلکہ نعتیہ شاعری کو ایک مستقل فن کی حیثیت دیتے ہوئے نعتیہ شاعری کی نسیم عشق سے اردو ادب کو روشناس کرایا۔آپکا پورا کلام عشق رسول کی مستی اور دردو سوز کی دولت سے مالا مال ہے۔آپکی شاعری اردوئے معلّٰی کا شاہکار ہے اور رہتی دنیا تک اردو ادب اور اہل ادب مولانا احمد رضا خاں کے مرہون منت رہیں گے۔

حواشی:

۱۔مولانا احمد رضا خان، حدائق بخشش (نعتیہ دیوان)
۲۔مولانا عبدالستار ہمدانی، ''فن شاعری اور حسان الہند''
۳۔امانت رسول قادری، تجلیات امام احمد رضا، کراچی
۴۔پروفیسر اختر الواسع ''قصیدہ بردہ کے اردو تراجم: تحقیق و تجزیہ''
۵۔''ماہنامہ انیس'' باب ربیع الاول ۱۴۰۱ھ صفحہ ۳۰۰
۶۔ڈاکٹر فرمان فتحپوری، ''اردو کی نعتیہ شاعری''
۷۔سدابوالحسن علی ندوی، ''کاروان مدینہ'' ادارہ تحقیقات و نشریات اسلام، ندوہ
۸۔ڈاکٹر صبیح رحمانی، ''اردو نعت کی شعری روایت''
۹۔ڈاکٹر محمد طہور خان پارس، ''نعت انسائیکلوپیڈیا، جلد اول''
۱۰۔اردو ریسرچ جرنل، شمارہ۔۱۲، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷
۱۱۔ڈاکٹر ریاض مجید، ''اردو میں نعت گوئی'' پاکستان
۱۲۔الحاج مولوی فیروز الدین'' جامع فیروز اللغات
۱۳۔عبداللہ خان خویشگی ''فرہنگ عامرہ''

قلم کاروں سے

ماہنامہ ''صدائے شبلی'' حیدرآباد میں اشاعت کے لیے معیاری اور تصحیح شدہ مضامین، نظمیں اور دیگر تحریریں ان پیج فائل میں ارسال کریں۔غیر معیاری، غیر اصلاح شدہ اور کمپوزنگ کی بے شمار غلطیوں والے مضامین، نظمیں و دیگر تحریریں ہم شائع کرنے سے معذور رہیں گے۔

(مدیر)

MADRASA ISLAMIA NAJMUL ULOOM
Shahi Hills, Near Masjid Noor Ali, Shaheen Nagar, Hyderabad.
SHIBLI INTERNATIONAL
EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST

مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم
شاہی ہلز نزد مسجد نور علی، شاہین نگر، حیدرآباد
Regd No: 180/2016

زیر انتظام: شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ............................گرامی قدر محترم! امید ہے کہ آپ اپنے متعلقین کے ساتھ بخیر وعافیت ہوں گے

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے خَیْرُکُم مَن تَعَلَّمَ القُرآن وَعَلَّمَه۔ تم میں سے بہترین انسان وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ اس حدیث سے علم اور قرآن علم کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی علم کی نشرواشاعت کے لئے **مدرسہ اسلامیہ نجم العلوم** شاہی ہلز شاہین نگر حیدرآباد میں ۱۵ر جنوری ۲۰۱۷ء کو قائم کیا گیا تاکہ امت مسلمہ کے نونہالان زیور علم سے آراستہ ہوں اور ملک وملت کی خدمت میں وقف ہو جائیں۔ اللہ رب العزت ان مقاصد میں کامیابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔

مدرسہ ہذا اور ٹرسٹ کی کوئی مستقل آمدنی نہیں ہے۔ جملہ اخراجات کی ادائیگی اہل خیر حضرات کے تعاون سے ہوتی ہے۔ ٹرسٹیوں کے مشورے سے تین سو بائیس (322) رگز زمین شاہی ہلز شاہین نگر میں خریدی جا رہی ہے، جس کی مجموعی قیمت 36/ لاکھ روپے ہے، فی گز 12/ ہزار روپئے ہے۔ 10/ لاکھ روپئے بطور بیع نامہ ادا کیا گیا ہے۔ اس زمین پر مصلیٰ، مدرسہ، لائبریری، دفتر اور ایک آڈیٹوریم بنانے کا ارادہ ہے۔ اس لیے اہل خیر حضرات سے گذارش ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر تعاون فرما کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

Bank Name: IDBI CURENT ACCOUNT
A/c Number: 1327104000065876
A/c Name: SHIBLI INTERNATIONAL EDUCATIONAL AND CHARITABLE TRUST
IFSC Code: IBKL0001327. Branch: Charminar

حافظ وقاری مفتی ڈاکٹر محمد محامد ہلال اعظمی خطیب مسجد عالیہ، بانی وناظم مدرسہ ہذا اچیرمین شبلی انٹرنیشنل ایجوکیشنل ٹرسٹ حیدرآباد

Google Pay: **8317692718** WhatsApp: **9392533661**